آپ آپ کو آپ ... کہا اور کا نیک نہ مانو

سنت سندیش جلد ۱ نمبر ۱

گیان سندیش

سنتوں کے نقطہ خیال اور اُن کی تعلیم وتلقین
کی نظر سے علم باطنی کے رموز کی واضح و مفسّر
تشریح تصوّف کے مضامین کی مکمّل تفسیر و خاصیت
کے دل پسند نقش و نگار

مصنفہ مؤلفہ و مرتبہ

Data Dayal's Library
Be Man ...

فہرست مضامین گیان سندیش

مضمون	صفحہ
دیباچہ	۵
سندیس	۱۰
خطاب بہ خُدا	۲۲
بندھ و موکش	۳۲
اُپدیش	۴۰
حقیقت کی تلاش نمبر ۱	۴۷
" نمبر ۲	۵۸
لورو کی پراپتی کے پھل	
حقیقت	
چار طرح کے پشوُ	
تعلقات و بے تعلقی کی مثالیں	

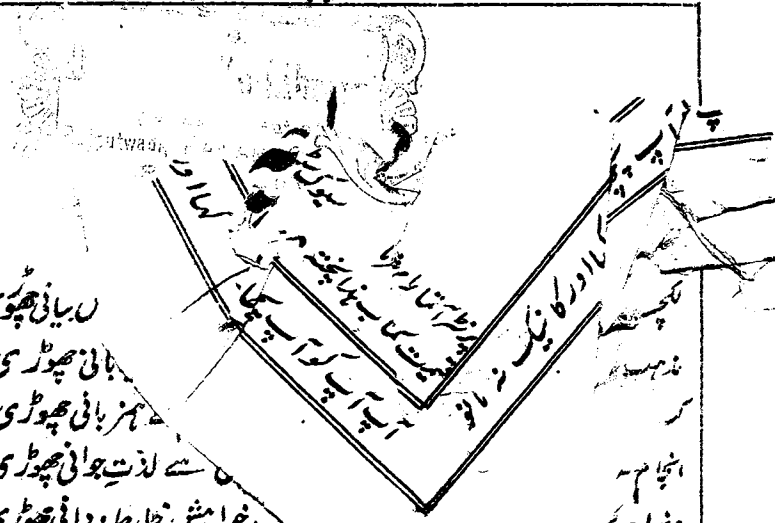

دیباچہ

لکچر ... ں بیانی چھوڑی

نا ... بانی چھوڑی

... ہم زبانی چھوڑی

انجام ... ں سے لذتِ جوانی چھوڑی

دنیا کے ... ب خواہشِ خلدِ جاودانی چھوڑی

دنیا کی سیر ... ے۔ باغوں کی سیریں کیں۔ جنگلوں کی
خاک چھانی۔ پہا ... شِ دلِ پر فضا نظاروں سے سیری نصیب
ہوئی۔ طبیعت بھر ... بھی اُکتا گیا۔ اب کیا ہے جس کے ہوس کرتے۔ کتابیں
پڑھیں۔ رسالے مطالعہ کئے۔ اخبارات کے سیاہ کالموں میں تفریح کا سامان
تلاش کر چکے۔ خود بھی بہت کچھ لکھا۔ کیڑوں کی طرح حروف کی سیاہی چاٹ
گئے اور دوسروں کے دماغی غذا کے لئے تھوڑا بہت ذخیرہ فراہم کر دیا
اُدھر سے بھی جی اُداس ہو گیا۔ اب کیا رہا ہے جس کو پڑھتے۔

زندگی کے قریب قریب تمام مرحلے طے کر چکے۔ کبھی اوپر کی طرف اُٹھے
کبھی نیچے کی طرف جھکے۔ شہرت ملی۔ نیکنام مشہور ہوئے۔ ذلت ہوئی۔ بدنام
ہو گئے۔ کبھی دل کی مراد بر آئی۔ کبھی ارمان نکلے۔ کبھی یاس اور ناامیدی
کے شکار ہوئے۔ دوستوں کی دوستی کے مزے لوٹے۔ دشمنوں کے

اور بعض قلبی کے نشانے بنے۔ یہ سب کچھ ہولیا۔ اب صرف ایک بات باقی ہے کہ اب یہاں سے خوشی خوشی کوچ کرنا چاہئے۔

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

تلاشِ حقیقت میں برسوں ہاتھ پاؤں مارے گئے۔ برسوں کیا۔ ساری زندگی ہی اس کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ پنڈتوں کی خدمتیں کیں۔ مولویوں سے ملتفت ہوئے۔ پادریوں کی طرف رخ کیا۔ صحائفِ آسمانی۔ اور الہاماتِ ربانی کی مدتوں تک ورق گردانی کیا کئے۔ جیسی دنیا ویسا ہی دین۔ کسی میں بھی تشفی کا سامان نہیں ملا۔ اور ملتا بھی کیوں؟ ان میں تھا ہی کیا؟ آخر آنکھیں کھلیں۔ دل کی کتاب پڑھی۔ دل کے نہ خانہ کے ورقوں میں گھسے اور اب جا کر مطمئن ہوئے +

وائے نادانی کہ جس کی تھی تلاش
وہ نہ تھا دور اپنے سے ہرگز کبھی

جی بھر گیا۔ دنیا و دین کی حیثیت معلوم ہو گئی۔ سچائی کا پردہ اٹھ گیا اب دل کی عجیب حالت ہے۔ نہ بے صبری ہے نہ بیقراری ہے۔ نہ خواہش وصل ہے نہ گلۂ انتظار ہے۔ کام کرنے کو جی نہیں چاہتا بیکار بھی رہا جاتا۔ کامیابی کا خیال نہیں کام کا کچھ نتیجہ ہو یا نہ ہو اس کی پروا نہیں ناکامی یا کامیابی کا کھٹکا نہیں۔ عزت و بے عزتی دونوں کی ایک سی حیثیت ہے جس کا جی چاہے برا کہے جس کو خواہش ہو بھلا کہے۔ برے سے لینا نہیں بھلے کو دینا نہیں +

کئی مہینے ہوئے امریکہ سے واپس آئے۔ وہاں سے خط پر خط آتے

ہیں کہ اس ملک میں آکر رہو اپنے ملنے جلنے والے کتنے رہتے ہیں ویسی کا کچھ
کام کرو۔ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں۔ سردی گئی۔ گرمی آئی۔ گانوں سے
چل کھڑے ہوئے۔ دلی پہنچے۔ مکرمی منشی سورج نرائن صاحب سے ملے۔ بولے
"ساودھو" لے لو۔ اس کو چلاؤ۔ ہم نے کہا "ساودھو" آپ کو مبارک ہو۔ ہمارے
لئے وہ تقویم پارینہ ہو گیا۔ اب اس کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ وہ خود کام کاج
سے اُکتائے ہوئے ہیں۔ کئی دن اُن کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہُوا۔ کچھ
اور ملنے جلنے والوں نے رائے دی کہ آخر بیٹھے بیٹھے کیا کرو گے۔ کچھ کام
ہی سے جی لگاؤ۔ بہت اچھا خیالات کے اظہار کے لئے کتابوں کا ایک
سلسلہ نمبروار جاری کرنے کا ارادہ ہو گیا۔ اس کا نام "سنت سندیش"
ہے۔ سال میں بارہ نمبر نذر ہوں گے۔ چونکہ رسالہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ
ماہواری مخزن کے صورت میں پیشکش ہوتا رہے۔ اگر طبیعت چاہی تو جب
مہینوں ہی میں لکھ پڑھ کر پڑھنے والوں کے پاس پہنچا دئے جائیں گے
پہلے بارہ نمبروں کی جلدیں قسط بہ قسط تو ضرور ہی نذر ہوں گی۔ آگے
کا حال نہ ہم کو معلوم ہے نہ کوئی اور جانتا ہے۔ جن کو پسند آئے پڑھیں
اوروں کو پڑھائیں۔ نہ پسند ہو۔ الگ رکھ دیں۔ اس سے زیادہ اور کیا
کہا جائے ۔

شیو

گیان سندیش

سندیس

جا کارن جگ ڈھو نڈھیا دیکھے دیس بدیس
پیا نکلن جب ہو ئیا آگمن ہوا بدیس

بن پاون کا پنتھ ہے بن بستی کا دیس
بنا دیہہ کا پُرش ہے کہے کبیر سندیس

ین باسی اُس دیس کا جہاں ست پُرش کی آن
کھ سُکھ کچھو بیاپے نہیں سب دن ایک سمان

میں باسی اُس دیس کا جہاں بارہ ماس بلاس
پریم جھرے بگسے کمل تیج پُنج پرکاس

نتے کروں نہ میں ڈروں سب دُکھ دئے نوار
شنکھ میں گھر کیا پایا نام ادھار

اُلٹ سمانا آپ میں پرگٹی جوت انت
صاحب سیوک ایک سنگ کھیلیں سدا بسنت

مل کھیلوں شبد میں انتر رہی نہ ریکھ
کا مت ایک ہے کیا پنڈت کیا شیخ

الکھ لکھا لالچ لگا کہت نہ آوے بین
نج من دھنسا سروپ میں ستگورو دینی سین

گورو ملے سیتل بھیا مٹی موہ تن تاپ
رین باسر سکھ مدہی لہوں انتر پرگٹے آپ

پون نہیں پانی نہیں دھرتی نہیں اکاس
کہیں کبیر تا دیس میں میرو ہے پرکاس

نام رسائن پریم رس پیوت ادھک رسال
کبیر پیون کٹھن ہے مانگے سیس کلال

راتا ماتا نام کا پیا پریم اگھائے
متوالا دیدار کا مانگے مکتی بلا

جو کوئی سمجھے سین سے تاسوں کہئے دھائے
سین بین بوجھے نہیں تا سوں کہے بلائے

لالی لیچے لال کی جت دیکھوں تت لال
لالی دیکھن میں گئی میں بھی ہو گئی لال

کہنا تھا سو کہہ چکے اب کچھ کہا نہ جائے
ایک رہا دوجا گیا دریا لہر سمائے

پرم سنت کبیر صاحب

سندیس کا خلاصہ اور لُب لُباب
آپ آپ کو آپ پہچانو
کہا اور کا نیک نہ مانو

(پورن دھنی رادھاسوامی دیال)

R.S
Data Dayal's Library
'Be... Centre'
Rajputwadi, HANAMKONDA,
WARANGAL (A.P.)

شبد کبیر صاحب

سادھو ستگورو الکھ لکھایا۔ جانئے آپ آپ درسایا
بیج مدھیہ جیوں ترور درسے برچھ مدھیہ جیوں چھایا
آتم میں پرماتم درسے پرماتم میں مایا
بنہہ اچھر سے اچھر آیا اچھر اچھر بستارا
جیوں ربی مدھے کرن دیکھے کرن جوت پرکاسا
پاربرہم سے جیوبرہم ہے جیوبرہم سے سوانسا
سوانسا مدھے شبد دیکھیئے شبد ارتھ کے ماہیں
پاربرہم سے جیوبرہم ہے نیارا ہے وہ سائیں
آپے بیج برچھ انکوری آپ پُشپ پھل چھایا
سورج کرن پرکاس آپ ہی آپ برہم جیو مایا
آتم میں پرماتم درسے پرماتم میں چھائیں
چھائیں میں پک چھائیں درسے لکھو کبیرا سائیں

ساکھی

ہم باسی اُس دیس کے جہاں پار برہم کا کھیل

دیوا جلے اگم کا بن باتی بن تیل
رام جپت ہیں نام کو نام جپت ہیں دھیر
تاہو تے کچھ اپڑ ہے تاکو جپیں کبیر

شبد کا ترجمہ

اے سادھو ستگورو نے الکھ کو لکھا دیا۔ جس رکی مدد) سے آپ خود اپنے آپ کو دیکھا ✦

بیج کے درمیان درخت دکھائی دیا۔ اور درخت کے درمیان حقیقت مثل سایہ کے تھی ✦

آتما ہی میں پرماتما کا درشن ہوا۔ اور مایا (بھی) پرماتما ہی میں تھی ✦

وجود لازوال سے با زوال حقیقت کا ظہور ایسا ہی ہے جیسے زوال پذیر حقیقت بے لازوال کیفیت عالم امکان وشہود میں آئی ✦

جس طرح سورج میں کرنیں ہیں اور کرنوں کے اندر اور ان سے روشنی دکھائی دیتی ہے

(بالکل اسی طرح) پر برہم سے جیو برہم سے رزندگی کی) سانس نکلتی رہتی ہے ✦

سانس کے سلسلہ میں شبد نظر آتا ہے اور کلام کے بطون میں معنی ومطالب چھپے رہتے ہیں ✦

پر برہم سے جیو برہم رکا ظہور) ہے رگو) وہ مالک اُس رجیو) سے نیارا اور علیحدہ دکھائی دیتا ہے ✦

اپ ہی بیج ہے۔ آپ ہی درخت۔ کونپل (انکھوا) پھول پھل اور سایہ ہے ٭

آپ ہی سورج۔ کرن۔ اور کرنوں کی ضیا (روشنی) ہے۔ پرماتما میں (مایا) کا عکس ہے ٭

(اس عکس کا ایک اور عکس (اور سایہ ہے) اے سائیں کبیر تم اس کو لکھو اور غور سے دیکھو ٭

ساکھی کا ترجمہ

ہم اُس دیش کے رہنے والے ہیں جہاں پر برّہمہ کا تماشہ ہوتا ہے وہاں بغیر بتّی اور تیل کے شمع روشن ہے ٭

رام نام کو جپتے ہیں۔ دھیرج والے پُرش کو نام جپتا ہے۔ ان دونوں سے پرے کوئی شے اور بھی ہے جس کو کبیر جپتے ہیں

شبد کی تشریح

اوپر کے شبد اور ساکھی میں کبیر صاحب پورن دھنی نے بڑی وضاحت کے ساتھ حقیقت کے پردوں کے اُٹھانے کی کوشش کی ہے اس شبد کی ایک ایک کڑی بطور خود ایک بسیط اور مکمل کتاب ہے۔ اور طالبان حقیقت کی نگاہ کے سامنے تمام روحانی مادی اور دلی رچناؤں کی سچائی

کا نظارہ پیش کرتی ہے۔ روح ذات ہے۔ مایا صفت ہے۔ دن کا حس
انسان کی نفس سے ہے۔ گو برہمانڈ میں برہمانڈی من بھی ہے جو برہمانڈ کی
رچنا کرتا ہے اور اس کو برہمہ کا من یا خود برہمہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر ہم نے
اس کو مایا سے علیحدہ نہیں کیا۔ اور دیدہ و دانستہ من کا اطلاق صرف ذات
انسان سے متعلق رکھا ہے۔ انسان اس برہمہ کا پُتر ہے۔ فرق صرف لطافت
اور کثافت کا ہے جس طرح برہمانڈ کی پیدائش برہمہ سے ہوتی ہے۔ ویسے
ہی اس سرشٹی میں جیو اپنی بھی سرشٹی پیدا کرتا رہتا ہے *

اس شبد میں ست گورو کے احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے کبیر صاحب
فرماتے ہیں :-

اے سادھو ست گورو نے کبھی نظر نہ آنے والے وجود کا نظارہ دکھایا۔
وہ کیا تھا؟ اس سے ہم نے اپنے آپ کو پہچانا اور اس کی مدد سے یہ سمجھ میں آیا
کہ جس اصلی جوہر کی تلاش میں ہم مارے مارے پھرتے تھے وہ دراصل ہم سے
کبھی اور کسی وقت میں جدا نہیں تھا۔ گورو نے اپنے کو ہم پر ظاہر کیا اور
ہم نے ذات گورو کو اپنے میں دیکھا

جا کھوجت برہما تھکے سُر نر مُنی دیوا
کہیں کبیر سُن سادھوا کر ستگور سیوا

باپ سے بیٹا پیدا ہوا۔ بیٹے نے باپ کی اُنگلی پکڑی اور اس کی مدد سے
اسی کی طرح اُٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سیکھا اور انسان ہو گیا کیونکہ باپ انسان
تھا عقلی اور روحانی نمو و نشو و نما کیا تھا بیٹے کو سمجھ آئی کہ میں انسان ہوں انسان
کے لفظ پر ذرا وسعت کے ساتھ نگاہ کرو۔ انسان ایک دو تین کو نہیں کہتے
یا اگر اس کو بھی نہیں سمجھ سکتے تو انسانیت کا لفظ لو اس کی قطع و برید یا تقسیم

و تفریق نہیں ہوتی وہ جو ہے وہ ہے ۔

گورو بحیثیت معراج سیوک کے سامنے کھڑا ہوا۔ حقیقت میں وہ نور تھا۔ سیوک اس کی طرف رجوع ہوا۔ اس سے ضیاء عکس کا استفادہ کیا۔ اس کے خواص اپنے میں دیکھے اور اپنے خیالی معراج کا عکس اس میں دیکھا۔ دونوں اصلیتیں ایک ہی نظر آئیں جن میں سر مو بھی فرق نہیں تھا۔ کیونکہ اصل میں جو نور تھا وہی نور بطور خود آئینہ بھی تھا۔ جو حق تھا وہ حق نما شیشہ بھی تھا ۔

دنیا کے اس طبقہ میں قدم قدم پر محتاجگی کا سوال آتا ہے۔ کون ایسا فرد بشر ہے جو کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔ پڑھنا۔ لکھنا۔ صنعت و حرفت سب میں مدد کی ضرورت رہتی ہے۔ کیونکہ یہ مقام اس طرح بنایا ہی گیا ہے اس لئے علم ذات کی اصلی سمجھ کے لئے بھی روحانی گورو کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اور بلا گورو کی کشفی مدد کے اس مسئلہ کے حل کا سامان نظر نہیں آتا۔ جو لوگ کتابوں کی مدد کے سہارے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں وہ ساری زندگی جھک مارتے رہیں گے۔ کیونکہ کتابیں خود جڑ ہیں قلمبند۔ لفظ بند۔ صفحہ بند۔ سطر بند ہیں۔ قید و بند میں رہنے والی شے کب آزاد کر سکتی ہے۔ بلکہ وہ تو الٹے لفظوں کے گورکھ دھندے میں پھنسانے والی ثابت ہوگی۔ لفظوں کا جنگل اس قسم کا خوفناک ہے کہ اس سے چھٹکارا محال ہے۔ علم روحانی کا اکتساب صرف ذات مرشد اور ولی کامل سے ہوتا ہے۔ زندہ چراغ ہی اور شمعوں کو زندہ کر سکے گا۔ اس لئے علم روح کے لئے گورو کا ہونا لازمی شرط ہے ۔

ہم نے اوپر کہا ہے کہ یہ مقام جہاں موجودہ وقت میں ہماری نشست ہے۔ محتاجگی اور قید بند کی جگہ ہے۔ مگر جہاں قید بند کی احساس ہے اور

جہاں محتاجگی پر غالب آنے کا سوال ہے وہاں ہی آزادگی اور دولتمند بلنے کا بھی خیال رہتا ہے۔ دونوں لازم باملزوم ہیں۔ اگر کوئی بندھن نہیں ہے تو وہاں مکتی اور نجات کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے سنتوں کا اُپدیش صرف اُن جیوؤں کے لئے ہے جو بندھن کی اوستھا سے گھبرا گئے ہیں۔ اور آزادگی کے احساس کی رگ کو حرکت نصیب ہو گئی ہے ان کے لئے پرم پرش کبیر صاحب کی یہ صدا ہے:

سادھو ستگور الکھ لکھایا جاتے آپ آپ در سایا

گورو کی ذات روحانی اکتساب کا بہترین یقینی اور صاف لفظوں میں اکیلا ذریعہ ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے اس کو اختیار ہے۔

شبد کی دوسری کڑیوں میں روحانی نظارہ کے مدارج کی تفصیل اور صراحت ہے۔

بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ درخت بیج ہی میں رہتا ہے سایہ ہمیشہ درخت کے ساتھ ہے۔ اگر درخت نہ ہو تو سایہ کہاں سے پیدا ہو۔ کسی خاص قسم کے بیج کو پانی میں بھگو کر اس کے اوپر کے چھلکوں کو اُتار دو۔ اور ہاتھ میں ذرا زیادہ طاقت والی خوردبین لے کر بیٹھو۔ اس کے اوپر تلے نظر جما کر دیکھو کیا تماشہ نظر آرہا ہے؟ حُبابی صورت میں ایک عالیشان درخت کھڑا ہے۔ آہا۔ کیسے خوبصورت پتے لہلہاتے ہیں۔ کیسے رنگ برنگ کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ پھولوں کے سروں پر پھل لگ رہے ہیں۔ پھلوں میں بیج ہیں۔ اگر اور بھی زیادہ طاقت کا کوئی اوزار مل جائے۔ تو تم ان بیجوں میں بھی ویسے ہی اُگے ہوئے درخت دیکھو گے۔ اور ان میں ان گنت اور بے شمار درختوں کی بالیدگی نمو اور

ترقی تنزلی کا کثیر سامان ملاحظہ کروگے۔ عقل دنگ ہے۔ بدّھی حیران ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ ابھی تو صرف بیج ہی ہاتھ میں لئے تھے اور بیج کے سوا اور کچھ نہیں تھا اب یہاں بیج کے اندر ایک زبردست باغ کے تماشے نظر آرہے ہیں درخت بیج سے اور بیج درخت سے پیدا ہوتے ہیں۔ کون پہلا ہے کون آخر طرح طرح کے سوال دل میں پیدا ہونے لگتے ہیں۔ کس کی طاقت ہے کہ اس پر عبور پائے۔ ایک عالمگیر سلسلہ ہے جو لا مقطوع اور لا ینقطع۔ اور لا نتیجہ نظر آتا ہے۔ خوردبین الگ دھر دیا۔ اب بیج کا بیج ہے اور کچھ نہیں ✣

بازیگر نگہ نے دکھائے وہ شعبدے
حیراں ہوئے ہیں دانا دل و ہوشیار تک

اگر کوئی پہلے یہ بات کہتا تو تم کو مشکل سے یقین آتا۔ مگر یہاں خوردبین نے غیر ممکن کو ممکن کر دکھایا۔ وہ تماشہ دیکھا جو انسانی عقل کو حیرت میں ڈالتا ہے۔ بتاؤ۔ بات صحیح ہے یا نہیں۔ یا ہم یوں ہی تم کو باتوں میں بھلا رہے ہیں۔ اگر خوردبین ہاتھ نہ آئے تو تم کسی بیج کے باہری بجھے اُدھیڑ کر بطور خود کچھ نہ کچھ اس معاملہ کے متعلق اپنا بجھو بڑھا سکتے ہو۔ اور سوچ سمجھ سکتے ہو۔ سمجھو۔ بیج میں درخت اور درخت میں بیج ہیں اور درخت کے ساتھ سایہ ہے جسکو اس سے کسی حالت میں جدا نہیں کر سکتے اگر تم سایہ کو اصلیت سے دور کرنے کی طاقت رکھتے ہو تو ذرہ ہم کو بھی اپنا کمال دکھا دو ✣

ہمیں میداں ہمیں چوگاں ہمیں گوے

اسی طرح بالکل نئی شکل میں لے ساد ھو! آتما ہیں پر ماتما ہے۔ اور

پرماتما میں مایا ہے۔ عالمِ مثال کی نظاروں کی مدد سے حقیقت تک رسائی پانے کا خیال کرو۔ اور سوچو کہ آتما کیا ہے پرماتما کیا ہے۔ اور مایا کیا شے ہے۔ جس طرح بیج سے درخت درخت سے بیج اور اس کے اندر سایا رہتی ہے۔ اسی طرح لافانی لایزال اور لاموت وجود سے فانی۔ تبدیلی پذیر اور لمحہ لمحہ جدا جدا تماشہ دکھلانے والی حالتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور اس کے آدھار پر یہ نرالا کھیل وسعت اور پھیلاؤ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ اور وہ ان سب سے الگ تھلگ رہتا ہوا سب میں رلا ہے۔ سب میں بسا ہے۔ اور پھر نہ کسی میں ہے اور نہ کسی سے ہے ✦

بہت اچھا۔ ایک مثال تو آ ویراچکی۔ یہاں مجبوراً مثال سے کام لینے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ کیونکہ دنیا عالم مثال ہے۔ آئیے اور کچھ سنئے ✦

سورج کے اندر کرنیں ہیں۔ کرنوں کے اندر باہر نور اور پرکاش ہے جس سے وہ پھوٹ کر باہر نکلتا رہتا ہے اسی طرح پربرہم سے جیو برہم۔ اور جیو برہم سے سوانس اور سوانس سے شبد پیدا ہوتے ہیں۔ اور شبد کے پیٹ میں ارتھ رہتا ہے۔ جیو برہم پربرہم سے ہے پربرہم پھر بھی اس سے نیارا اور الگ تھلگ ہے ✦

اس رچنا میں سورج سب کی جان۔ سب کا مرکز اور سب کا ادھشٹاتا و مدار علیہ ہے۔ جس قدر سائنس اور فلسفہ نے اس وقت تک علم و ہنر کے مسئلوں پر روشنی ڈالی ہے یا آگے ڈالیں گی۔ سب کا تعلق سورج سے ہے۔ سورج اگنی ہے۔ سورج اس نظام شمسی کا لطیف جوہر ہے اس میں کرنیں اور شعاعیں رہتی ہیں۔ ان کرنوں کی تہوں میں رچنا کا مصالحہ

ہے جس سے آکاش منڈل بھرا ہوا ہے۔ کیونکہ سورج ظاہری آنکھوں سے نظر نہ آتا ہوا بھی اپنے منڈل میں محیط کل ہے۔ اسی سے زندگی کرنوں کے ذریعے آتی ہے۔ اِن ہی کرنوں کی کیمیائی اثر کی وجہ سے دنیا میں طرح طرح کے ناج بنسپتی۔ حیوان۔ انسان۔ دیوتا سب کچھ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ لار ہے۔ یہ سب کچھ پیدا کرتا ہے۔ اور پھر یہی سب پر اپنی روشنی ڈالتا ہے۔ سب اس کی زندگی سے زندہ ہیں۔ مردہ زندہ وجود کا امکان اُسی سے ہے۔ وہی سب میں رما ہوا ہے۔ مگر کیا تم کرنوں کو۔ کرنوں کے کیمیائی اثرات۔ اور ان کے نتیجوں کو۔ اور ان کے نتیجوں سے بنے ہوئے جاندار۔ بجان متحرک۔ غیر متحرک۔ پتھر۔ کنکر۔ لال۔ زمرد۔ ان سب کو سورج کہہ سکتے ہو۔ یا کہتے ہو۔ ہم سمجھتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں تم کو کچھ نہ کچھ پس وپیش سے کام لینا پڑے گا۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں اسی طرح پرم برہم سے جیو۔ جیو سے سانس۔ سانس سے شبد پیدا ہوتے ہیں۔ اور ارتھ اسی طرح شبدوں کے بطون میں مخفی رہتا ہے۔ جس طرح سلسلہ کیا تھ سورج سب میں ہے سورج سب کچھ پیدا کرتا ہوا اپنی ستا کو سب میں دکھلاتا ہے! ایک آگ کا تودہ روشن ہے۔ وہ اندر ہی اندر بھبکتا ہوا باہر دھوئیں کو پھینکتا ہے۔ جو تھول عنصر کی صورت میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس کے اندر شعلے ہیں۔ اس کے ارد گرد چنگاریاں اُڑ رہی ہیں۔ وہ عجیب و غریب کام کرتا ہے۔ اس کام کے سلسلہ میں جو آواز برآمد ہوتی ہے۔ وہ پھنکار کی شکل میں شبد اور بانی ہے۔ جو کچھ ہوا۔ ہوتا ہے۔ ہوگا۔ نہیں ہوتا۔ نہیں ہوا۔ نہیں ہوگا۔ اس آتشکدہ سے متعلق ہے آتشکدہ سب میں ہے۔ سب میں اس کی حرارت ہے۔ سب کا وجود اس سے ہے

وہ سب کا اوشٹھان ہے۔ مگر نہ وہ دھواں ہے۔ نہ دھوئیں کی سیاہی ہے۔ نہ چنگاری نہ آگ کے جلنے کی آواز ہے۔ الگ تھلگ رہتا ہوا سب کو اپنی سنّا دے رہا ہے۔

خوب۔ یہ سب کچھ کہنے کو کہہ گئے۔ اب دیکھئے پھر کیا کہتے ہیں!

آپے بیج برچھ انکوری۔ آپ پُشپ پھل چھپا یا
سورج کرن پرکاس آپ ہی آپ برہم جیو مایا

غور سے دیکھنے پر ذہن نشین ہو گیا کہ چاہے کہنے سننے میں بھِنّتا ہی باتوں کے لحاظ سے رکھنا پڑتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ ہی بیج درخت انکھوا۔ پھل۔ پھول اور چھپا یا ہے۔ آپ ہی سورج ہے۔ کرن ہے۔ پرکاس ہے یہاں تک کہ کرنوں کے پرکاش میں جو سراب اور مرد تھل جل کا دھوکہ ہوتا ہے وہ بھی آپ ہی ہے۔ وہ آپ برہم ہے۔ جیو ہے اور مایا ہے۔ اگر وہ واقعی محیط کل جو ہر ہے تو اس کے سوا اور کچھ کیا رہ سکتا ہے یا ہو سکتا ہے۔ اگر سب کچھ ہیں اور وہ بھی ہے تب تو سب محدود ہوں گے محدودیت میں نقص ہو گا۔ نقص قابل تعریف نہیں سمجھا جاتا۔ اس سے اس کے سوا اور کہیں کچھ نہیں ہے۔ سمندر ہے۔ اس میں بوند۔ قطرے۔ بلبلے لہر جھاگ وغیرہ سب ہیں۔ ان میں سے کون ہے جو سمندر نہیں ہے۔ سب اس میں ہیں اور سب اس سے ہیں۔ اور وہی سب کچھ ہے۔ سمجھنا کٹھن ہے بات مشکل ہے۔ کہنا آسان نہیں۔ سمجھنا آسان نہیں۔ سمجھ کر مان لینا آسان نہیں۔ مان کر اس آدرشی اور معراجی حالت میں ٹکنا آسان نہیں۔ سمجھنا کہنا۔ ماننا۔ ٹکنا۔ سب اس میں ہے اور اس میں نہیں ہے۔ اثبات اور نفی اس منزل میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ یہی تو مشکل ہے۔ مگر اس میں ذرہ بھی

نہیں کہ وہی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور ہو کیسے سکتا ہے
مگر سوال یہ ہے کہ اس کی خبر کیسے پڑتی ہے؟ اس سوال کے ایک حصہ
ب تو اس شبد کے شروع میں آگیا ہے یعنی گورو مست ہونے سے اسکی
ی۔ دوسرا حصہ آگے چل کر بیان کرتے ہیں۔

آتم میں پرماتم درسے پرماتم میں جھائیں
جھائیں میں یک جھائیں درسے لکھو کبیر سائیں

آتما میں پرماتما دکھلائی دیا۔ پرماتما میں یک چھائیں نظر آئی۔ جو مایا تھی
بنظر غور و تامل اس چھائیں کی ماہیت اور اصلیت جاننی چاہی تو اس میں
ب جھائیں تھی جو حقیقت میں اسی ست نام اور ست پورش کی ستا تھی
ت میں آتما۔ پرماتما۔ اور مایا میں کوئی بھی بھید نظر نہیں آیا۔
سائیں کبیر نے اسی ستا کو اپنی نگاہ کا معراج بنا کر حقیقت کو اوروں کے
پر گٹ کیا۔ تاکہ سب کا بھول بھرم مٹ جائے۔

ساکھی کی تشریح

اس نظارہ کو دکھا کر اب آپ فرماتے ہیں۔ ہم اس دیس کے رہنے والے
س مقام کے باسی ہیں جہاں پر برہمہ کا کھیل ہوتا ہے۔ اور جہاں تیل
ی کے بغیر وحدت کی جوت یوں ہی روشن رہتی ہے۔ نہ وہاں چاند ہے
رج ہے۔ نہ زمین ہے نہ آکاش ہے۔ سادھو! سنو۔ رام تو نام کو جپتے
اور نام دھیر پرشوں کو جپتا ہے۔ مگر ان دونوں کے پرے کوئی اور بھی چیز
س کا جاپ سائیں کبیر کرتے ہیں۔

رام نام کو جپتے ہیں یہ تو صاف ظاہر ہے۔ مگر اس کا مطلب کیا ہے کہ

دھیر پرشوں کو جتپا ہے؟ نام کیسے جپ سکتا ہے اور کیوں جتپا ہے؟ بات یہ ہے کہ نام کو ادھکاریوں کی تلاش رہتی ہے سنسار کے سارے پدارتھ کسی نہ کسی کے لئے ہوتے ہیں اور جب ان کو اُن کا مستحق ادھکاری اور اہل مل جاتے ہیں تب وہ سوبھا کو پراپت ہو جاتے ہیں۔ ان کو اُن سے اور اُن سے اُن کو رونق ملتی ہے۔ ادھکاری پرش موتی کو پاکر ان کو اپنا زیور بنا لیتا ہے اس کی قدر اس کے دل میں ہے۔ مگر گائے بیل اسی موتی کو پاؤں کے تلے کچل ڈالتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں اس کی کیا قدر ہے! اسی طرح نام جب کسی ادھکاری کو پراپت ہوتا ہے تو نام کی سوبھا ہوتی ہے اور ادھکاری اس سے لابھ اُٹھاتا ہے۔ ان ادھکاری نہ تو اس کی اصلی قیمت اصلی مدعا اور اصلی جوہر کو پہچانتا ہے اور نہ اس کو کام کی چیز سمجھتا ہے اس وجہ سے نام کو بھی ادھکاری کی تلاش رہتی ہے۔ یہ نام کے دھیر پرشوں کے جپنے سے مراد ہے۔

مگر بلند نگاہ کبیر کچھ اس کے آگے بھی دیکھتے ہیں۔ جہاں نہ نام نہ نامی ہے۔ نہ روپ ہے نہ روپ ونت ہے۔ وہی صاحب کبیر کی اصلی ذات ہے اور وہ اس کی طرف اپنے اشارہ کی اُنگلی اُٹھاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے اور حقیقت کی معراج ہے۔

جاپ مرے اجپا مرے انحد بھی مر جائے
سُرت سمانی شبد میں تا ہی کال نہیں کھائے

خطاب بہ خُدا

امریکا سے جہاز پر وطن کی طرف روانہ ہوئے۔ چھ دن بعد ایک مقام "ہانولولو" آیا جو مجمع الجزائر "ہوائی" کا بندرگاہ ہے۔ وہاں سے جس دن کوچ کیا۔ سمندر طوفانی تھا۔ بادِ تند کے جھونکوں سے جہاز جھکولے لینے لگا۔ اس وقت کا نظارہ بھی دیکھنے کے قابل تھا۔ طرح طرح کے خیالات دل میں پیدا ہونے لگے۔ ہاتھ میں پنسل لی اور یہ نظم ایک گھنٹہ کے اندر اندر مرتب کر دی اس میں حسنِ شاعری اور کمالِ نظم نہیں ہے۔ جیسا جی میں آیا بیساختہ لکھتے گئے اور اسی شکل میں نذرِ ناظرین ہے ؎

عنصروں کا جس طرح آکاش ہے روحِ رواں
اس سے اور اس میں یہ پیدا ہو کے رہتے ہیں عیاں
اس طرح آکاش تو ہے اور ہیں عنصر یا خُدا
تو محیطِ جزو کُل ہے کیا عیاں اور کیا نہاں

نقطہ اور مرکز ہے تو مخلوق ساری ہے لکیر
سب کا رُخ تیری طرف ہے کیا امیر اور کیا فقیر
گر نہ مرکز ہوتا ممکن کب خطوں کا تھا ظہور

(۳) روح ہے تو اور ہم سب ہیں تیرے جسم و جسد
تجھ سے حرکت ملتی ہے۔ ہے تجھ میں سارا جزرومد
وہ ہیں ناداں جو سمجھتے ہیں کہ تو ہم میں نہیں
جسم بیجاں زندہ کب ہو گر نہ ہو تیری مدد

(۴) ہر ہے تو اور ذرّے ہیں جہاں کے سب ظہور
سایہ ہیں یہ زندگی کا صرف یک تجھ میں ہے نور
وصف سے مستغنی ہے۔ اوصاف کا دامن ہے تو
ست ہے چت آنند ہے۔ علم و عمل نطق و سرور

(۵) تو ہے بحر بیکراں قطرہ ہے ساری کائنات
یہ شعاعیں ہیں تیری اور شمس انور تیری ذات
علم ہے تو تجھ سے ہیں اعمال اپنے اے کریم
جو ہے تو وہ میں ہوں یہ ہے ایک سو باتوں کی بات

(۶) جس طرح دریا میں ہوتا ہے متوج روز و شب
لہریں اٹھتی رہتی ہیں اور ہوتی ہیں گم اس میں سب
اس طرح مخلوق پیدا ہوکے مرتی رہتی ہے
تو وجودِ لاتحد ہے خالی از رنج و تعب

(۷) رشتۂ تسبیح تو ہے اور دانے انس و جان۔
کیا ملک کیا آدمی تو سب کی ہے روح و روان
ہر جگہ معمور ہے مستور ہے آنکھوں سے تو
جن کو آنکھیں ہیں میسر دیکھ لیتے ہیں عیاں

---

(۸) تو ہے وسعت میں خلا جس کا نہیں حد و حساب
تجھ میں آتش ہے ہوا ہے تجھ میں ہے خاک اور آب
جو نہ سمجھے اس کو اس کی عقل کا ہے بس قصور
فلسفی کیا۔ کیا حکیم۔ اور مذہبوں کے شیخ و شاب

---

(۹) ہے طلا تو اور زیور ہیں یہ حیوان و ملک
جوہر الطف ہے تو تجھ میں ہیں سب ارض و فلک
جس طرح غائب ہوں اٹھ اٹھ کر سمندر میں حباب
ہے نظارہ کل جہاں کا تجھ میں اس میں کیا ہے شک

---

(۱۰) دشت بے پایاں ہے تو مخلوق ہے مانند ریگ
ریگ مل کر بنتی ہے مینا سبوح و جام و دیگ
تو بسیط دہر ہے محدود ہیں باقی نفوس
نام بس کہنے کے جن کو منہ سے بولیں خان و بیگ

---

(۱۱) تو بصارت اور سماعت ذائقہ ادراک ہے

(۱۲) اے میرے مولا تو جنگل ہے مَیں ہوں مُفرد درخت
تیری سختی سے بہت مضبوط ہوں میں اور سخت
تیرا مجھ میں سب ہے میرا کچھ نہیں مجھ میں کبھی
کیا ثمر کیا برگ کیا گل اور شجر کا سارا رخت

(۱۳) تو ہے گر پانی تو میں مچھلی ہوں اے میرے کریم
ہو نہیں سکتا جدا تجھ سے تو ہے یار و ندیم
تجھ سے اپنی زندگی ہے تجھ میں ہے آبِ بقا
جب تلک تجھ میں ہوں میں مجھ کو نہیں امیدؔ و بیم

(۱۴) پُرفضا گلشن ہے تو اور میں ہوں مثلِ خار و خس
پھول ہوں برگ و شجر ہوں اور تو نطق و نفس
بُو سے تیری ہوں معطر تیری شبنم سے ہوں خوش
گر نہ ہو تو تا لبِ خاکی ہو بس مُردہ قفس

(۱۵) مادّے کی روح ہے تو۔ اور مَیں خاکی نژاد
رہ کے تجھ میں رات دن کرتا ہوں یارب تجھ کو یاد

کیا کہوں تو کیا ہے اور میں کیا ہوں میرے کبریا
بادی آبی ناری گر ہوں تو ہے آب و نار و باد

(۱۶) پاک ہے اور صاف اور شفاف ہے تو اور لطیف
میں بھی آخر تجھ میں ہوں تجھ سے ہوں گو ہوں میں کثیف
فرق حالت کا ہے مجھ میں تجھ میں باقی کچھ نہیں
تیری ہی طاقت سے طاقتور ہوں میں زار و نحیف

(۱۷) شمع محفل تو ہے اور پروانہ ساں ہوں میں غریب
تجھ پہ عاشق ہوں تو ہے معشوق و دلدار و حبیب
سرو ہے تو میں ہوں قمری گل ہے تو بلبل ہوں میں
سوانتی تو ہے میں پپیہا قرب ہے مجھ کو نصیب

(۱۸) آگ کا تو دہ ہے گر تو میں ہوں چنگاری تیری
مجھ میں ہے تیری حرارت اور گلکاری تیری
شعلۂ آتش اگرچہ دیکھنے میں ہے حقیر
حشر برپا کردے اس شئے میں ہے چنداری تیری

(۱۹) مہر انور جب فلک پر جلوہ گر ہوتا ہے روز
تب کنول کا پھول خنداں ہوتا ہے اور دلفروز
شام کو وہ ساتھ سورج کے ہمیشہ چھپتا ہے

تو ہے سورج میں کنول ہوں ساز تو ہے میں ہوں سُر

(۲۰) تو ہے مغناطیس اور میں مثلِ آہن یا خُدا
دور بھی ہوں تجھ سے تو تیری طرف ہے رخ میرا
تو میرا معبود ہے مسجود ہے مقصود ہے
ایک دم کے واسطے مجھ سے نہیں ہرگز جدا

(۲۱) مہرِ تاباں تو ہے دن میں رات کا ہوں میں قمر
نور سے تیرے ہوں روشن اے میرے نورِ نظر
گو نہیں نفرت ہے تجھ میں مخزنِ اُلفت ہے تو
اپنی نادانی سے لیکن میں ہوں تجھ سے بے خبر

(۲۲) پھُول ہوں سورج مکھی میں تو میرا خورشید ہے
تیری ہی کرنوں سے مجھ کو زیست کی امید ہے
میں ہوں اندھا یا خدا جب دیکھتا تجھ کو نہیں
مجھ کو کیا گر چرخ پر تاباں مہ و ناہید ہے

(۲۳) تو منارہ نور کا ہے میں ہوں بوسیدہ جہاز
رات دن خطرے میں ہوں طوفاں ہے رنج و حرص آز
زور پر ہے باد و باراں اور اندھیری رات ہے
دے تسلّی تو مجھے کردے درِ رحمت کو باز

(۲۴) زندگی ہے۔ لطف و شفقت۔ عقل لافانی ہے تو
دوسرا تجھ سا نہیں سچ یہ ہے لاثانی ہے تو
بے نیازی شان تیری ہے نیاز آگیں ہوں میں
عشق کے آئین کا سچ تو ہے یہ بانی ہے تو

---

(۲۵) تو ہے معراجِ صداقت اور لطافت کا نشان
ہر جگہ رہتا ہے لیکن اصل میں ہے لامکان
وقت و وسعت حالت و اوصاف سے بالا ہے تو
بام پر تیرے پہنچنے کا نہاں ہے نردبان

---

(۲۶) ذرّہ ذرّہ میں چمک ہے اور گلوں میں بو ہے تو
قطرہ قطرہ میں نمی ہے نخلِ گلشن میں نمو
آبِ مروارید ہے برگِ حنا کا تو ہے رنگ
عارفوں کا دل ہے اور ہے کاملوں کی گفتگو

---

(۲۷) موسموں میں تو بہارِ جاں فزا ہے اے صنم
اور جگوں میں تو ہے ست جگ اس میں کیا بیش اور کم
سام ہے ویدوں میں اور ہے اُپنشد میں چھاندوگ
گیتا بھگوت ہے تو گیتاؤں میں جانداروں میں دم

---

(۲۸) کرشن اوتاروں میں ہے اور فلسفیوں میں کپل

درختوں میں برہمہ سوتر اور جسم میں پاکیزہ دل
آنکھ ہے اعضا میں۔ پرائوں میں ہے حرکت بے درنگ
ہے کشش کے مسئلوں کا تو ہی بس جرِّ ثقل

---

(۲۹) شیروں میں ہے شیر مردی واصلوں میں وصل ہے
نقل یہ نظارۂ دنیا ہے اور تو اصل ہے
مذہبوں سے اور کتابوں سے پتا ملتا نہیں
ان کے جو شائق ہیں بس ان کو ہی تجھ سے فصل ہے

---

(۳۰) ہے تو جانداروں میں انسان پتھروں میں لال ہے
عاشقوں کا عشق ہے اور صوفیوں کا حال ہے
مسلموں کا ہے خدا اور برہمن کا رام کرشن
دہریوں کا مادّہ ہے قالیوں کا قال ہے

---

(۳۱) راز باطن سالکوں کا گیانیوں کا گیان تو
شاغلوں کا شغل ہے اور جوگیوں کا دھیان تو
اوم شروتی کا ہے اور پورانکوں کا واسدیو
موکش پد سنتوں کا اور بدھوں کا ہے نروان تو

---

(۳۲) تو ہی بھارت ورش ہے ملکوں میں دریاؤں میں گنگ
پربتوں میں ہے ہمالہ جو ہے معدن بھر سنگ

ہے پرندوں میں گروڑ اور دیوتاؤں میں ہے اِندر
دوبوں میں کشمیر ہے شہروں میں کاشی بے درنگ

(۳۳) سب ہے اور پھر کچھ نہیں۔ نیتی ہے کہتے ہیں رِشی
وصیان وہ کس کا کریں لاچار ہیں گیانی مُنی
دل میں پایا تیرا درشن اور کہیں کچھ بھی نہیں
مندروں اور مسجدوں کی خاک چھانی جینے جی

(۳۴) مجھ میں تو ہے تجھ میں میں ہوں اوم "تت ست" یا خدا
واک یاں "تتوَم اسی" کا وِرد ہے صبح و مسا
ہست ہے اور نیست سے بالا ہے تیری ذات پاک
کیا کہے کوئی نہیں کہنے کا ہوتا حوصلہ

(۳۵) ہے اشارہ تو اگر کوئی اِشارہ جان لے
مُکتی کا پھل پائے جینے جی ہی پد نِربان لے
موت میں اور زندگی میں ہر جگہ دیکھا تجھے
سمجھے یہ مسلہ جو کوئی بات میری مان لے

(۳۶) استی - بھاتی - پریہ، کہتے ہیں تجھے ویدانتی
نیتی ابتی ہے پرے بتلاتے ہیں تجھ کو رِشی
شاکت مت کی تو ہے شکتی جینیوں کا تو ہے جن

شُدھ بُدھ اور مُکت ہے ان سب سے بھی ہے تو غنی

۳۷۔ دین و بیدینی ہے تیرے روئے روشن پر نقاب
مُستتر ہے راز تیرا ان کے اندر بے حساب
دے اُٹھا پردوں کو دیکھوں حسن تیرا باکمال
عاشق دلدادہ سے دلبر بھلا کیسا حجاب

۳۸۔ اوّل آخر ابتدا اور انتہا ہے ہیگماں
یگیہ ہے اور یگیہ کا گھوڑا ہے تو جانِ جہاں
گیان بھگتی کرم ہے پھر بھی ہے ان سب سے جدا
ہوتا ہوں خاموش از بس ہے میری قاصر زباں

نوٹ۔ بعض لفظوں کی یہاں تشریح کر دی جاتی ہے۔ جو شاید پڑھنے والوں کو معلوم نہ ہوں۔
بند ۲۹۔ برہم سوتر۔ ویدانت کی کتاب ہے۔ درشن ہندو فلسفہ کو کہتے ہیں۔
" " پران۔ قوت۔ طاقت۔ فورس جس کی وجہ سے مادہ میں حرکت آتی ہے۔
" ۳۱۔ اوم۔ ترکٹی۔ سخفان کے دھنی کا ذاتی نام۔ جو تمام ترلوکی میں سارے آوازوں کی ماتا ہے
مجردتی۔ ویدباتی
پورانک۔ پورانوں کے معتقد
واسدیو۔ سری کرشن
" ۳۲۔ گرڑوہ پرند ہے جو وشنو کی سواری میں رہتا ہے۔ اندر دیوتاؤں کا راجہ ہے
" ۳۳۔ نیتی۔ نہیں ہے یہ۔
" ۳۴۔ اوم تت ست۔ اوم وہ ہے۔ تت توم اسی۔ جو وہ ہے سو تو ہے۔
" ۳۶۔ استی۔ ہے۔ بھاتی۔ بھاتا ہے۔ پریہ۔ پیارا ہے۔ ایتی۔ یہ ہے۔ نیتی۔ نہیں ہے یہ۔
شُدھ۔ پاک۔ بُدھ۔ علم۔ مکت۔ آزاد۔
" ۳۸۔ بھگتی۔ عشق۔ کرم۔ عمل

بندھ اور موکش

شبد کبیر صاحب

(۱) اَپن پَو- آپ ہی بِسرو
(۲) جیسے سَوان کانچ مَندر میں بھرمت بھُونس پھرو
(۳) جیوں کیہری بپو نرکھ کوُپ جل تا میں جائے پرو
(۴) ایسیہی گج لکھ پھٹک شِلا کو پرتیما دیکھ ارو
(۵) مرکٹ مُٹھی سواد نہ چھوڑے گھر گھر رٹت پھرو
(۶) کہیں کبیر للنی کے سُوتا کونے توہی پکڑو

ترجمہ

اپنی ذات کو آپ ہی خود بخود بھول گیا
جس طرح کُتّا شیش محل میں بھرم کھا کر آپ ہی بھونکتا پھرتا ہے*
جیسے شیر کا بچّہ کنوئیں کے پانی کو دیکھ کر اس میں جا کر گر پڑا*
اسی طرح ہاتھی صاف شفاف چٹان میں اپنے ہی عکس کو دیکھ کر

اس سے لڑنے لگ گیا۔

بندر مٹھی کی لذت (لالچ) کے بس میں آکر گھر گھر شور مچاتا پھر رہا ہے۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں۔ اسی طرح اے چرخی کے طوطے! تجھ کو کس نے پکڑ رکھا ہے۔

تشریح

گیان سروپ اور گیان روپ ہوتا ہوا وہ اپنے آپ کو بھول گیا۔ اور اپنی ذات سے بےخبر بنا۔ کیا یہ اندھیر نہیں ہے؟ مگر اس میں تعجب ہی کیا ہے؟ تعجب تو اس وقت ہوتا۔ جب اس طرح نہ ہوتا تم اپنے سامنے آئینہ رکھ کر اپنی اصلی ذات کی طرف سے غافل ہو کر اس کے عکس میں تفریح تلاش کرتے ہوئے بھول جایا کرتے ہو۔ شیشہ میں کیا ہے؟ تمہارا ہی تو اُلٹا اور دوسری طرح کا عکس نظر آرہا ہے۔ تم اُس کو اور کا اور سمجھتے ہو۔ بچہ اسی کے ساتھ کھیلنے لگتا ہے۔ منہ بناتا ہے۔ تیوڑی چڑھاتا ہے۔ ناک سکوڑتا ہے۔ آنکھیں دکھلاتا ہے۔ جیسا کرتا ہے ویسا ہی اس میں نظر آتا ہے اور وہ کہتا ہے واہ وا اس میں بچہ ہے اور کھیلنے کودنے کا خواہشمند ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ میں آپ ہی آپ آئینہ نما۔ آئینہ میں رو نما اور ذات حقیقی ہوتا ہوا حق نما ہوں۔ کاش اگر گیان اور اگیان کی اصلیت کی تم کو خبر ہو جاتی تو تم سمجھ لیتے کہ ان کی مراد کیا ہے۔

سنو! مزید ار قصہ ہے۔ ایک شیش محل تھا۔ اس کے اندر ایک کتا

ماردی اور برباد ہوگیا۔ خرگوش ہنستا اور مسکراتا ہوا اپنے ہمجنسوں کے پاس آیا۔ اور اُن کو تمام جنگل کے کنٹک سے آزاد ہونے کی خوش خبری سنائی۔ اب سوچو شیر ور نہیں تھے۔ ایسا ہی تھا وہ اپنے ہی عکس کے بھرم سے ہلاک ہوا۔ اسی طرح اور بہت سے دویت بھکش پیدا ہوکر دکھ اور کلیش کا کارن بنتا ہے۔

تیسرا قصہ ایک ہاتھی کا ہے۔ کسی جنگل میں ایک جسیم و شحیم موٹا تازہ مغرور ہاتھی رہتا تھا۔ اس کا تن و توش دیکھ کر ایک گیدڑ اور لومڑی کے منہ میں پانی بھر آیا۔ کہنے لگے کس طرح یہ مست اور متوالا ہاتھی مارا جائے۔ تاکہ اس کا گوشت ہمارے کھانے میں آوے۔ دونوں ہی چالاک اور ہوشیار تھے۔ سوچ وچار سے سب کچھ ممکن ہے۔ ایک کمزور آدمی اگر عقل رکھتا ہو تو دشمنوں کی کثیر جماعت کو چٹکی بجاتے ہوئے خاک و خون میں ملا سکتا ہے صرف عقل کی ضرورت ہے۔ عقل ایک دو نہیں ہزاروں تدبیریں سجھا سکتی ہے۔ احساس اور غور کے پیدا ہونے اور پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ دونوں دیر تک اس مضمون پر غور کرتے رہے۔ ادب کے ساتھ ہاتھی کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ مہاراج کی جے ہو۔ آپ کو قدرت نے ہم سب پر راج کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ ہمارا کوئی راجہ نہیں ہے۔ اگر آپ ہماری سنیں تو لومڑی کو اپنا وزیر بنالیں اور گیدڑ کو سپہ سالاری عطا فرما دیں اور ہم دونوں تمام جنگل کو آپ کا محکوم کردیں گے۔ ہاتھی یہ بات سن کر خوش ہوگیا۔ کون شخص دنیا میں ایسا ہے جس کو عزت اور حکومت پیاری نہیں ہے۔ وہ بولا۔ بہت اچھا۔ میں تمہاری رائے سے متفق ہوں تم میرے سر پر تاج شاہی رکھو اور اسی وقت میں تم کو وزارت اور

سپہ سالاری کے عہدے بخشوں گا۔ لومڑی بولی جہاں پناہ! جنگل کے جانور اس وقت تک ہماری بات نہ مانیں گے جب تک آپ کی خداداد طاقت کا تماشہ نہ دیکھ لیں گے۔ مہاراج یہ دنیا ایسی ہی ہے۔ یہ فطرتاً ظاہر پرست اور نمائش پسند ہے۔ قریب ہی ایک پھٹک شلا ہے اس میں آپ ہی ایک ایسا ہاتھی رہتا ہے اس سے چل کر ذرہ زورآزمائی کیجئے ہم دونوں آپ کے مددگار رہیں گے۔ ہاتھی نے کہا بہت اچھا۔ چلو۔ تینوں پھٹک شلا کے پاس آئے۔ وہ آئینہ کی طرح مصفا تھی۔ ہاتھی نے اس میں اپنی ہی مورتی دیکھی۔ بھڑ بیٹھا۔ دانت ٹوٹ گئے اور لڑتے لڑتے بیدم ہوکر گر پڑا۔ اپنی ہی طاقت سے آپ مارا گیا۔ اور جب وہ مرگیا لومڑی اور گیدڑ عرصہ تک خوش ہوکر اس کا گوشت کھاتے رہے۔ اب دیکھئے پتھر میں اور کچھ نہیں تھا۔ ہاتھی کی اپنی بیحرکت مورتی ہی تھی۔ نادان نے کچھ نہ سمجھا اور ناحق ہلاک ہوا۔ اے سادھو اسی طرح اس جگت کی لیلا ہے۔ بھرم اور اگیان اسی صورت میں اپنا کام کرتے ہیں۔

چوتھا قصہ اور بھی مطلب خیز ہے۔ کسی آدمی نے ایک تنگ اور چھوٹے منہ کے گھڑے میں کچھ بیر رکھ چھوڑے تھے۔ ایک بندر کی نگاہ اس پر پڑ گئی موقع کی تاک میں لگا رہا۔ جب آدمی کہیں کام کرنے کو گیا اس نے جھٹ پٹ گھڑے کے اندر ہاتھ ڈال دیا اور مٹھی میں تھوڑے سے بیر لے کر مٹھی بند کر لی۔ مٹھی گھڑے سے نکالنا چاہتا تھا مگر وہ کیسے نکلے۔ کوششیں کرتا ہے محنت کرتا ہے۔ نہ مٹھی باہر نکلتی ہے نہ گھڑا الگ ہوتا ہے۔ اگر ایک ایک کرکے بیر نکال لیتا تو آسانی سے اس کا کام ہو جاتا۔ مگر اگیان نے قید و بند کی حالت پیدا کر دی۔ وہ پھنس رہا۔ آخر وہ پریشان ہو کر مٹھی کو

اُپدیش

مہاراج گورو نانک صاحب کا شبد

کاہے رے بن کھوجن جائی (ٹیک)

(۱) سرب نواسی سدا الیکھا تو سنگ رہت سدائی
(۲) پُہپ مدھ جیوں باس رہت ہے مُکر ماہہ جیسے چھائی
(۳) تیسے ہی گورو بست نرنتر گھٹ ہی میں کھوجو بھائی
(۴) باہر بھیتر ایکے مانو یہ گورو گیان بتائی
(۵) کہے نانک بِن آپا چینہے مٹے نہ بھرم کی کائی

ساکھی کبیر صاحب

من کے مارے بن گئے بن تج بستی ماںہہ
کہیں کبیر کیا کیجیئے یہ من بوجھے ناںہہ

ترجمہ

تو کیوں جنگل میں تلاش کرنے جاتا ہے۔
وہ محیط کل سب میں رہنے والا ہمیشہ اسنگ رہتا ہوا رات دن تیرے
ساتھ رہتا ہے۔

جس طرح پھول کے اندر خوشبو اور آئینہ کے اندر عکس رہتا ہے ویسے ہی گورو تیرے دل میں بستا ہے۔ بھائی اگر کہیں اس کی تلاش ہو سکتی ہے تو صرف دل میں ہو سکتی ہے اسی میں اس کی کھوج کرو۔ خود گورو نے گیان بتایا ہے کہ وہ باہر بھیتر ایک رس محیط ہو رہا ہے اسی نظر سے اس کو دیکھو اور اصلیت کو وچارو۔ نانک صاحب فرماتے ہیں کہ جب تک اپنی اصلیت یعنی آپا (علم ذات) کی خبر نہیں تب تک بھرم اور وسوسات کا پردہ دور نہیں ہوتا۔

تشریح

کبیر صاحب کی ساکھی ہے :-

وستو کہیں ڈھونڈھے کہیں کیہی بدھی آوے ہاتھ
کہیں کبیر تب پائیے جب بھید ہی لیجے ساتھ

یا تو انسان خود اس قدر سمجھدار ہو کہ اس کی عقلی ہنو کی طاقت تاریکی کے پردوں کو چاک کرتی ہوئی اصلیت کی چھپی ہوئی جلبی صورت کا تماشا اور جلوہ دکھا سکے۔ یا اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کسی ایسے صاحب کمال کا دامن پکڑے جو اس سے مل کر ایک ہو رہا ہوا۔ سچائی سے ملنے کے بس یہی دو طریقے ہیں۔

مگر اکثر آدمی ایسا نہیں کرتے۔ غلط راستہ پر چل کر ناحق جنگل

طراوت بن کے برگِ گل کے جو رگ رگ میں پنہاں ہے
وہی بلبل کے نغموں میں بہ شکلِ سوز رہتا ہے

تل میں جس طرح تیل چھپا رہتا ہے۔ مہندی کے پتوں کے اندر جیسے لالی رہتی ہے۔ پھولوں میں جیسے خوشبو ہوتی ہے۔ حقائق میں آگ۔ راکھ میں حرارت۔ پانی و برف میں طراوت۔ قدرتی طاقتوں کے اندر بجلی (ظاہرا) غیر متحرک اشیا میں حرکت۔ عناصر کے پیٹ میں آکاس ویسے ہی ہر شے میں ہر وجود میں۔ ہر جاندار اور بیجان میں وہ غارت گر دین و ایماں بستا ہوا اپنی ستا کا پرکاش کرتا ہے یہ انتری اپاسنا۔ انتری دھیان۔ انتری تصور اور اندرونی خیال کا لکش ہے۔

در بشر رُو پوش کرداست آفتاب
فہم کن واللہ و اعلم بالصواب (مولانا روم)

باہری لکش اور انتری لکش دونو کی صراحت کر دی گئی۔ اگر اب بھی سمجھ میں نہ آوے تو ناقص عقل کا قصور ہے۔ تصوف کی تعلیم ہمیشہ اشاروں اور رمز و کنایوں میں کی جاتی ہے۔ یہ سین بین کا مضمون ہے

مستمع گر نیست خاموشی بہ است
نکتہ از نا اہل گر پوشی بہ است

واہیہ جگت اور انتری جگت میں رت پد کا لکش دکھا دیا گیا۔ اندرونی اور خارجی عالم میں حقیقت کا جلوہ دکھانے کی صاف اور سہل لفظوں میں کوشش کر دی گئی۔ مگر گورو نانک صاحب ایک قدم

اور آگے بڑھ کر شائقین حقیقت اور طالبان اصلیت کے فائدہ کو مدنظر رکھ کر کچھ اور فرماتے ہیں۔

باہر بھیتر ایکے مانو یہ گورو گیان بتائی
کہے نانک بن آپا چینھے۔ مٹے نہ بھرم کی کائی

مطلب صاف ہے۔ کہتے ہیں کہ گورو نے یہ گیان بتایا کہ باہر اور بھیتر سب ایک ہے اور دونوں کو ایک ہی سمجھو۔ جب تک اپنی ذات خاص کا علم حاصل نہ ہوگا۔ تب تک بھرم اور وسوسات کی کائی دور نہ ہوگی۔

اگر آپ کہیں تو اس صاف اور سادہ بیانی کی بھی تشریح کر دی جائے۔

بہت خوب سنئے۔ سورج باہر ہے۔ سورج بھیتر ہے۔ سورج آکاس میں ہے۔ پانی میں ہے۔ پانی کے ہزاروں۔ لاکھوں۔ کروڑوں اور بیشمار برتنوں میں اس کے عکس نظر آ رہے ہیں۔ ایک سے انیک دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ کیا تماشہ ہے؟ ظاہر بین نگاہیں بیشمار سورج دیکھ رہی ہیں۔ لو۔ بادلوں کی ہجوم نے چمکتے ہوئے سورج پر پردہ ڈالدیا۔ اب کہاں گئے بیشمار سورج۔ جب تک وہ ایک تھا تب تک انیک بھی تھا۔ وحدت کے ساتھ کثرت اور کثرت کے ساتھ وحدت ہے۔ ایک واجب الوجود ہے اور باقی صفر ہیں۔ موحّد پرہلاد نے اپنے باپ ہرناکش سے کیا اچھی بات کہی تھی۔

موہیں توہیں مجھ تجھ میں کھڑگ کھنبھ (تلوار ستون) میں جہاں دیکھو تہاں رام ہی رام
مورکھ پتا سمجھ نہیں توکو۔ سرو وستو (کل اشیا) میں دیا یک رام

ایک پیر ہے پربت کی رہی کلیجے چھائے
چوٹ ستاوے برہ کی سب تن جرجر ہوئے
مارن ہارا جانئے کے جن مارا سوئے

ہائے ہائے کون اس درد والے کے دُکھ کو جانتا ہے یا جان سکتا ہے۔ وہ کیسے عذاب میں مبتلا ہے۔

دیکھت دیکھت دن گیا رین (رات) بھی دیکھت جائے
برہن پیا پاوے نہیں بیکل جیا گھبرائے
گلوں تمہارے نام پر جیوں آٹے میں لون (نمک)
ایسا برہا میل کر نت دُکھ پاوے کون

روتا بھی ہے چلاتا بھی ہے۔ قیامت برپا کر رکھی ہے۔ مگر ہوس کو نہیں چھوڑتا۔ سمجھانے والوں کی باتیں سن کر بہ آواز بلند سادگی کے لہجہ میں کہتا ہے۔ اس کی باتوں کو سن کر سننے والوں کا جی چھوٹ جاتا ہے وہ کہتا ہے معشوق اسی رونے ہی او جھینکنے ہی سے ملے گا۔ دوسری کوئی تدبیر اور نہیں ہے۔

سکھیا سب سنسار ہے کھاوے اور سووے
دُکھیا داس کبیر ہے جاگے اور رووے
ہنس ہنس کنت نہ پائیاں جن پایا تن روئے
ہانسی کھیلے پیو ملیں تو کون دوہاگن ہوئے
کبیر ہنسنا دور کر رونے سے کر چیت
بن روئے کیوں پائیے پریم پیارا میت

اور بھی سنو۔

خوشا وقت شوریدگانِ غمش — اگر ریش بینند وگر مرہمش
گدایانے از پادشاہی نفور — بہ امیدش اندر گدائی صبور
سحرہا بگریند چندانکہ آب — فرو شوید از دیدہ شاں کحل خواب
نہ تلخ است صبرے کہ بر یاد اوست — کہ تلخی شکر باشد از دست دوست
عجب داری از سالکانِ طریق — کہ باشند در بحرِ معنی غریق
ترا عشق ہمچوں خودی زآب و گل — رباید ہمیں صبر و آرام دل
چو در چشم شاہد نہ آید زرت — زر و خاک یکساں نماید برت

اس خبط کا بھی کیا ٹھکانا ہے۔ اے سچا عاشق زار! تیرے دل کے امنگ واقعی کچھ معنی رکھتے ہیں۔ تو یوں ہی پریشان نہیں ہے سچ مچ کوئی نہ کوئی بات ہے جس پر تو جان دے رہا ہے۔ مگر جب جان ہی نہ رہے گی تو تو کیا پائے گا کیا لے گا۔ اس میں اور اس سے کیا فائدہ ہے۔ وہ آنسو پونچھ کر مسکراتے ہوئے یوں جواب دیتا ہے۔

برہ تیج تن میں تپے انگ سبھی اکلائے
گھٹ سونا جیو پیو میں موت دیکھ پھر جائے
کاگا سب تن کھائیو چن چن کھائیو ماس
یہ دو نینا نہ کھائیو پیا ملن کی آس
برہ کمنڈل کر لئے بیراگی دو نین
مانگے درس مدھوکری چھکت رہے دن رین
نینوں اندر آؤ تو نین جھانپ تو ھی لوں
نا میں دیکھوں اور کو نا توہے دیکھن دوں

لوگ پوچھتے ہیں۔ کیا دنیا میں تیرے لئے اور خوشی کے وتفریح کے سامان نہیں ہیں۔ ادھر کیوں توجہ نہیں کرتا۔ دنیا میں بہت کچھ مزہ ہے مگر سودائی جواب دیتا ہے۔

برہا آیا درد سے کڑوا لاگا کام
کایا لاگی کال ہوئے میٹھا لاگا نام

توجہ ادھر نہیں ہے۔ سرب انگ سے وہ ہمہ تن کسی اور کا ہو رہا ہے نگاہ میں کوئی شے نہیں جچتی اس سے بہتر کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ پھر کیسے دنیا اس کی کشش کا باعث بنے۔

خدا ملے تو ملے اور کسی کی چاہ نہیں
ہمارے دل کی عمق کو کسی کی تھاہ نہیں

نین ہمارے باورے چھن چھن ڈھونڈیں تجھ
نا تم ملو نہ ہیں سکھی ایسی بیدن مجھ

آجا۔ آجا۔ اے دلدار حقیقی۔ اپنا جلوہ دکھا جا۔ تیری بانکی ادا (تکلیف) ان آنکھوں میں کھب گئی۔ اور طرف سے آنکھیں بند ہیں۔ صرف تیرے دیدار کی ہوس ہے۔ ملنا ہو تو مل جا۔ نہ ملنا ہو تو موت دے بشرطیکہ موت میں میرے فنا کرنے کی طاقت ہو۔

کبیر سندر یوں کہے ملی ہو کنت سوجان
بیگ ملو تم آئیکے نہیں تو تجی ہوں پران
کے برہن (جلد) کو موت دے کے آپا دکھلائے
آٹھ پہر کا داجھنا (درد) مو سے سہا نہ جائے

میں نہ مانوں گا نہ مانوں گا۔ تجھ کو پا کر چین لوں گا۔ تو کیوں نہ ملے گا

کہاں جائے گا۔ یہ وہ طاقتور دل ہے جو تجھ کو زبردستی پکڑ اپنے اندر بند کرلے گا۔ غم کا پہاڑ ٹوٹ کر سر پر آ رہے ہے مصیبت کے بادل منڈلایا کریں۔ رنج ہو۔ کلفت ہو۔ آزار ہو۔ سب کچھ سہوں گا۔ مگر تیرا خیال دل سے کبھی دور نہ کروں گا۔

یہہ تن کا دیولا (چراغ) کروں باتی میلوں جیو
لوہو سینچوں تیل جیوں تب (بھی) مکھ دیکھوں پیو
مانس (لہو) گیا پنجر رہا تاکن لاگے کاگ
صاحب اجہوں نہ آئیا کوئی مند ہمارے بھاگ
سائیں سیوت (آج بھی) جل گئی ماس نہ رہیا دیہہ
سائیں جب لگ سیتہوں یہ تن ہوے نہ کھیہ (خراب)

دنیا پرستو! زر پرستو! تم کو اس آنند اور خوشی کا کیا انبھو ہے جو اصلی محبوب کے وصال میں ہے۔ تم کو خبر نہیں ہے۔ ورنہ تم اس عاشق بیخود کو لعن طعن کے تیروں کا نشانہ نہ بناتے!

سودن کیسا ہوے گا گورو گہیں گے باہہ
اپنا کر بیٹھا وہیں چرن کنول کے ماہہ
اب کے جو سائیں ملیں سب دکھ آکھوں روے
چرنوں اوپر سیس دے کہوں جو کہنا ہوئے

دیکھا۔ کیسی غضب کی تلاش ہے۔ یہ متوالے آزاد و مطلق ہیں۔ آئینہ کے عکس کی طرح دنیا میں رہتے ہیں۔ کوئی طاقت ان کو گرفتار نہیں کرسکتی۔ یوں ہی رات دن وچرتے رہتے ہیں۔ مطلب سے مطلب ہے نہ کسی سے واسطہ ہے نہ تعلق ہے۔ اپنی کرتے ہیں اپنی کہتے ہیں اور اپنی ہی

سنتے ہیں۔

جو جن برھی نام کے سدا مگن من ماہنہ
جوں درپن کی سندرتھی کن ہوں پکڑی ناہنہ

تم جو رات دن خدا کے نام پر دلا زاری کرتے رہتے ہو۔ تم کو اس کا دیدار کب نصیب ہوگا۔ جن کے دل میں لگن ہے صرف وہی شاہد تمنا سے ہم آغوش ہوتے ہیں۔ عاشق کامل و طالب صادق کا مذہب نرالا ہے۔ وہ دین و دنیا دونوں سے بالا ہے۔

مذہب عاشق ز مذہبہا جدا است
عاشقان را مذہب و ملت خدا است

اگر سچے ہو تو ایسی لگن دل میں پیدا کرو۔ ورنہ بھولے سے بھی اس کا نام نہ لو۔

لاگی لاگی کیا کرے لاگی بڑی بلا ے
لاگی سوئی جانیئے جو وار پار ہو جاے
لاگی لاگی کیا کرے لاگی ناہیں ایک
لاگی سوئی جانیئے جو کرے کلیجے چھیک
لاگی لاگی کیا کرے لاگی سوئی سراہ
لاگی تب ہی جانیئے جو اُٹھے کراہ کراہ
لاگی لگن چھوٹے نہیں جیبھ چونچ جر جائے
میٹھا کہا انگار کو تاہی چکور چبا ے
جو تو پیا کی پیاری اپنا کرلے ری
کلہہ کلپنا میٹ کر چرنوں چت دے ری

حقیقت کی تلاش

نمبر ۲

ہزار کوئی بندشیں اور قیود کی حالتیں پیدا کرے۔ سچائی کی تلاش کے راستے میں ہزار دقتیں حائل ہوتی ہیں۔ مگر جس وقت انسان ذرہ بھی سوچنے وچارنے لگے گا۔ اُسی وقت وہ اُدھر متوجہ ہو کر رہے گا۔ اور اپنا راستہ آپ بنالے گا۔ سوالات کا سلسلہ بند ہونے والا نہیں ہے جب تک دنیا ہے تب تک وہ اسی طرح کسی نہ کسی شکل میں جاری رہے گا۔ سوال کئے جائیں گے۔ جواب ملتے رہیں گے۔ دلیل۔ حجت۔ موشگافی بال کی کھال نکالنے کی فکریں ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ ہی رہیں گی۔ یہ زندگی کیا ہے؟ یہ خلقت کیوں ہے؟ آخر اس کی کوئی غرض بھی ہے؟ یا یوں ہی ہے؟ اور کیوں ہے؟ یہ مسئلے ہیں جو خودبخود ہر انسان کے خیالی دھاروں کو حرکت دیتے رہتے ہیں۔ اور ان کے ضمن میں زندگی کا مقصد اور آفرینش کی غرض کا معمہ آخر کار حل ہو کر رہتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ حل نہ ہو تو پھر قدرت میں اس کی تحقیقات اور تفتیش کا انتظام بھی نہ رہتا۔

تمام مذاہب اور تمام مذہبی سلسلے چاہے اپنی حیثیت و نوعیت کے لحاظ سے کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی کوشش اور اسی اُدھیڑ بن کی مختلف صورتیں ہیں۔ کوئی کسی تدبیر سے گتھی کو سلجھاتا ہے۔ کوئی کسی

حکمت سے اس کے بخیوں کے اُدھیڑنے کی فکر میں مبتلا ہے۔ جو جیسا ہے جس کا خمیر جیسا ہے۔ جس کا سنسکار اُدھکار۔ قابلیت اور اہلیت جیسی ہے وہ مجبور ہے کہ اسی نوعیت کے مذہب کی تلاش کرے۔ یہ قدرتی اصول ہے۔ جو نظام آفرینش میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ جو فن مصوری کے ذریعہ رزق حاصل کرنے کے لئے وضع ہوا ہے۔ وہ وکالت کی طرف کبھی نہ جائے گا۔ اور نہ وہ کام اس سے ہو سکے گا۔ جو سپہ گری کے جذبات ساتھ لایا ہے۔ وہ اسی پیشہ کو وسیلہ معاش بنائے گا۔ سپاہی کا پیشہ وکیل کا پیشہ نہیں ہو سکتا۔ نہ مصوّر مزدوری سے روٹی کمانے کے لئے مقصود ہے۔ جو اصول دنیا کے مختلف پیشوں۔ مختلف کاروبار اور مختلف معاملات میں کام کرتا ہے۔ وہی مذہب میں بھی ہے۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ تمام دنیا ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی طریق پر چلے اس سے کہو اپنے عقل کا [illegible] کھلالے۔ جب دنیا میں ایک سے نظارے نہیں ایک سے آدمی نہیں۔ ایک سا مزاج نہیں۔ پھر کیسے کوئی مان لے کہ کہ ایک ہی مذہب سب کو یکساں تشفی دے سکے گا۔ ہاں سدھانت اور اصول ضرور ایک ہے۔ مگر منزل مقصود تک پہنچنے کی کثیر پگڈنڈیاں اور سڑکوں کے ہوتے ہوئے وہ اصول بھی مختلف الصورت نظر آتا ہے اور بحث و مباحثہ کا مضمون بن جاتا ہے۔

مگر تم پوچھو گے کہ کیا سب مذہب ایک سے ہیں۔ اور سب کی علت غائی ایک سی ہے؟ اس سوال کا جواب ذرا تامل کے ساتھ دیا جائیگا یہ کہنے کا مقصد تمام پہلوؤں کے لحاظ سے نہیں ہے کہ کل مذاہب ایک سے ہیں اور سب کی خواہ مخواہ ایک سی صورت یا ایک سی حیثیت

ہے۔کیونکہ یہ پہلے ہی کہہ دیا گیا ہے کہ اختلاف کے اس طبقہ میں اس قسم کی مطابقت۔ یکتائی اور مماثلت امر محال ہے۔سب کے مقصد بھی ایک سے نہیں ہیں۔ہاں یہ ضرور ہے کہ جو مذہب کا مقصد ہونا چاہئے سب کے سب کسی نہ کسی شکل میں براہ راست یا بطرز مختلف اسی کی طرف دانستہ یا نادانستہ لئے جا رہے ہیں۔اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ سب کی معراج ایک ہے۔شاید اس بات کے ذرہ اور واضح کر دینے کی ضرورت محسوس ہو گی۔اس لئے بہت صاف لفظوں میں ہم کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ دنیا کے بہت سے مذہبوں میں سے کوئی خالص مجلسی مذہب ہے یا سوشیل اور ساماجک دھرم ہے۔اس کی تعلیم ہمیشہ ساتھ مل کر بیٹھنے۔ساتھ مل کر رہنے اور ساتھ ہی ساتھ سندھیا۔نماز۔یگیہ۔ہون اور تیج تیوہار منانے کی ہو گی۔اس کا رُخ پرورتی کی طرف ہے۔اور لوک۔پرلوک۔بہشت و دوزخ۔عذاب و ثواب کے۔سارے مسائل اس کے ضمن میں آجاتے ہیں۔ساتھ ہی ایک آتمک دھرم۔روحانی طریق اور سپرچول ریلیجن بھی ہے۔اس میں چند مستثنیات کے سوا خلوت و تنہائی میں بیٹھ کر شغل و اشغال کرنے۔غور و فکر سے کام لینے اور صرف بےعلم ذات کے حاصل کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔یہ خالص نورتی مارگ ہے دونو کی شکلیں جُدی جُدی نظر آ رہی ہیں۔اگر ذرہ غور کیا جائے تو فرق آسانی سے معلوم ہو جائے گا۔ان دو کی فہرست میں پھر ہزاروں مذہب کی شاخیں دیکھی جا سکیں گی۔طوالت کے خوف سے ہم نے صرف دو نام یہاں دیدیئے ہیں۔جو بڑی وسعت اور صفائی کے ساتھ اپنی حیثیت کا اظہار کرتے ہیں۔یہ دونوں خاص خاص پہلوؤں کے لحاظ سے مختلف

ہیں۔ ان کے فلسفے بھی خاص خاص قسم کے ہیں۔ کیونکہ دنیا کا کوئی بھی چھوٹا سے چھوٹا مذہب بھی ایسا نہیں ہوگا جو اپنی علیحدہ فلاسفی نہ رکھتا ہو۔ فلاسفی کوئی اور شے نہیں ہے۔ عقائد کے انکشاف کی عقلی کوشش اور تعلیم کے سلسلہ کی وضاحت کا انتظام فلسفہ کہلاتا ہے۔ پرورتی اور نورتی مارگ دونوں میں فلاسفی ہے۔ اور دونو غور و فکر کی مستحق ہیں۔ کیونکہ دونوں میں سچائی ہے۔ یہ اُن کا اپنا اپنا رتبہ ہے

فرق تو ان کے درمیان ضرور ہے۔ اور دونوں کی حیثیت کو کبھی ایک سی نہ سمجھنی چاہئے۔ مگر پہلے کہا گیا ہے کہ ہر مذہب۔ ہر طریق۔ ہر سمپردا ایک خاص خصوصیت کے لحاظ سے عام اور مشترک مقصود کیطرف انگشت نما رہتا ہے۔ کوئی بھی ایسا مذہبی طریق نہیں ہے جس میں آتما اور پرماتما کے متعلق مسائل زیر بحث نہ آتے ہوں۔ کوئی اپنے آچارج کو رسول خدا کہتا ہے۔ کوئی اوتار بتاتا ہے۔ کوئی فرزند حق بتاتا ہے معمولی ذہانت اور عقل کے آدمی ان باتوں پر یقین کامل کرتے ہیں۔ اور ان کا یقین کرنا برحق ہے۔ کیونکہ ان کی موجودہ عقلی ساخت اور ذہنی نشو و نما اسی قسم کی ہے کہ وہ رسمی شرعی اور فروعی باتوں کو اہمیت دیں۔ بغیر اس کی پرورتی کے دھرم چل بھی نہیں سکتے۔ اور نہ زیادہ عرصہ تک قائم رہ سکتے ہیں۔ پرورتی مارگ میں کچھ پائداری ہے۔ اور پائداری رکھنا بھی مقصود ہے۔ کیونکہ مجلسی نظام کا دارومدار پائداری پر ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ پائداری کتنی اور کہاں تک ہے۔ مگر برعکس اس کے نورتی مارگ جڑ کاٹنے اور موت کی طرف لیجانے والا راستہ ہے جو زندگی کی ساری اُمیدوں کا خون کراتا ہوا ایک ایسے مقام پر پہنچانیکی کوشش کرتا ہے۔ جو فنا اور بقا سے پرے ہے۔ جہاں عذاب و

وثواب کے مسائل ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتے ہیں اور بحث مباحثہ کی ضرورت ہی لاحق نہیں ہوتی۔ لوگ مذاہب کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ اگر اس نظر سے ان کے دیکھنے کی کوششیں کریں تو آپ ہی ان کا فرق معلوم ہو جائے

ہر قسم کے مذہب الغرض کسی نہ کسی پیرایہ میں ایک ایسے عجیب و غریب فوق القدرت فوق البشریت حالت کی تعلیم دیتے ہیں جو کبھی نہ کبھی ہر مخلوق کی زندگی یا زندگیوں کے سلسلہ میں اہم اور ضروری سوال بن جاتی ہے۔ اور پھر صاف صاف طریقہ میں اس کے حل کی طرف اس کا رجحان نظر آنے لگتا ہے۔ تحقیقات اور تجسس تو اب بھی ہے۔ کوئی فرد بشر اس سے علیحدہ نہیں ہے۔ عقیل انسان صاف لفظوں میں اس کا اظہار کر دیتا ہے۔ بیزبان مخلوق اور طرح پر اس کوشش میں ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔

کونسا مذہب ہے جو یہ نہ کہتا ہو کہ میری تعلیم کا انتظام عالم بالا کی طرف سے ہے۔ ایک ہی جملے کے لفظوں میں تحقیقات کا سامان موجود ہے وہ عالم بالا کیا ہے؟ کہاں ہے؟ کیوں ہے؟ وعلیٰ ہذا القیاس۔ دل پر ذرا سی ضرب پڑنے دو۔ ایک سوال آیا نہیں کہ دوسرا خود بخود پیدا ہو جاتا ہے دل کے پردے چاک ہونے لگتے ہیں۔ واقفیت کے وسیع کرنے کا سودا سما جاتا ہے۔ یہ کیا ہے وہ کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ میں کیا ہوں اور کیوں ہوں۔

جدھر دیکھو دنیا انہیں اور ایسے ہی سوالوں کا جواب دیکھا کرتی ہے۔ قدیم مسائل کی چھان بین۔ مردہ مذاہب کی قبر کنی۔ بیجان زبان کی رگ شناسی۔ مردہ پیروں کی نبض شناسی آخر کیوں کی جاتی ہے۔ اور کیوں

کی جا رہی ہے؟ محض اسی ایک بات کے لئے لوگ جانتے ہیں کہ جو بات کسی وقت سچ تھی اب جھوٹ ہے۔ مگر پھر بھی اس کا ساتھ دے رہے ہیں کہ شائد اس سے ہی کچھ مطلب کی بات ہاتھ آجائے۔ مُردہ چیز سے زندگی کی امید رکھنا عبث ہے۔ مُردہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے مُردنی آجاتی ہے مُردہ مذہب۔ مُردہ مذہب کی زبان، مُردہ پیر اور مُردہ پیروں کی مزاریں سب بے سود اور بے بہبود ہیں۔ کون کہے۔ کس سے کہے۔ زندہ دنیا مُردہ پرستی کر رہی ہے۔ اصل ذات نقل پرستی پر تُلی ہوئی ہے۔ غضب ہے۔ اندھیر ہے تعجب ہے۔ ہاتھ پیر والے ٹُنڈے لنگڑے آدمی۔ ہاتھ پاؤں گلے ہوؤں سے مُرادیں مانگتے ہیں۔ اس نادانی کا کہیں ٹھکانا ہے۔ مرض کا ستایا ہُوا بیمار بو علی سینا کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر صحت کا طالب نہیں ہوتا مگر مایوس آدمی ان مُردہ فقیروں کی قبروں پر جا کر ان چیزوں کے لئے منتیں مانتا ہے۔ جو زندگی میں بھی ان کے پاس نہیں تھیں۔ ہم یہ کسی کی دل آزاری کے لئے نہیں کہتے۔ نہ دل آزاری وہنسا کرنا ہمارا اصول ہے۔ اور نہ ہم یہ ہی کہتے ہیں کہ یہ خیال ہر پہلو سے باطل ہے۔ عقیدتمندی اور راسخ الخیالی زبردست طاقت ہوتی ہے لیکن کاش مُردوں سے عقیدت رکھنے کے بجائے اگر حقیقت کے متلاشی کسی زندہ پیر۔ زندہ کلام۔ زندہ مذہب زندہ تدابیر اور زندہ زبان سے تعلق پیدا کرتے تو شائد ان کو زیادہ فائدہ ہوتا۔ کم از کم سچائی کی تو جلد خبر پڑ جاتی۔ مگر خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا اسکو اس وقت یوں ہی چھوڑ دو۔

آخر یہ مُردہ پرستی اور زندہ پرستی کیوں کی جاتی ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ حقیقت کی تلاش ہے۔

تعصب ہے۔ تنگ خیالی ہے۔ باطل پرستی ہے۔ بیہودہ توہمات ہیں سب کچھ ہے۔ مگر ہر وجود کا رُخ پھر بھی ترقی کی طرف ہے۔ اپنی زندگی کے مدارج پر غور کرو۔ اگر احساس کی یہ حالت تم پر گزری ہو تو ہماری بات کو مانو۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر اس کو چھوڑ دو۔ وقت آئیگا جب اس کو کچھ زیادہ سمجھنے لگو گے۔ ابتدا میں اس طبقہ کی زندگی تنگی اور تنگ خیالی کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ جیوں جیوں قدم آگے کی طرف بڑھتا ہے۔ فراخدلی اور وسیع خیالی آتی جاتی ہے اور سمجھ بوجھ کی ترقی کے ساتھ نہ صرف تمام تعصبات کی بیخکنی ہو جاتی ہے۔ بلکہ اپنی ذات کا کچھ نہ کچھ علم بھی ہوتا جاتا ہے۔ اور اس علم کے ہوتے ہی تمام تحقیقات کا سلسلہ اس طرح خاموش ہو جاتا ہے گویا پہلے اس کا وجود ہی نہیں تھا۔

جب تک دنیا ہے تب ہی تک تحقیقات ہے۔ تحقیقات زندگی کیساتھ ہے۔ اس کو کوئی طاقت بند نہیں کر سکتی۔ اور نہ یہ بند ہونے والی شئے ہے +

ساکھی

کھوجت کھوجت کھوجیا۔ کھوج تھکے من مانہہ
کھوجت من استھر بھیا۔ وسنو انت رہی نانہہ
جن کھوجا تن پائیاں گہرے پانی پیٹھہ
ہوں بپوری کھوجن چلی رہی کنارے بیٹھہ
بیچاری
کھوجو من رچ آپنے۔ دور دیس مت جاہ
دور دیس جو جا ہوگے۔ پاؤگے نہیں راہ

گورو کی پراپتی کے پھل

ساکھی کبیر صاحب

تیرتھ گئے تو ایک پھل سنت ملے پھل چار
ستگور ملے انیک پھل کہیں کبیر بچار

تیرتھ میں نہانے سے جسمانی صفائی کا پھل ملتا ہے۔ تیرتھ میں تپ کرنے سے اندرونی صفائی حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایک پھل ہے جو تیرتھ دیتے ہیں۔ سنتوں کا ملاپ ارتھ۔ دھرم۔ کام اور موکش کا بخشنے والا ہے۔ ان سب سے زیادہ پھلوں کے دینے والی گورو کی قربت صحبت اور خدمت ہے۔

جن کو اصلیت کی خبر نہیں ہے وہ دھرم ارتھ اور کام کے مقابلہ میں موکش کی عظمت کو سب سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ بادی النظر میں وہ سب سے بڑھ کر چیز بھی ہے۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ جہاں موکش ہے وہاں ہی بندھن ہے۔ موکش کا لفظ خود بخود بندھنوں کے خوف کا خیال دلاتا رہتا ہے۔ مارا جاتا ہے وہ شخص جو موت کے ڈر سے کانپتا رہتا ہے۔ کیونکہ اسکے دل کی خیالی دھاریں اپنی طرف موت کی دھاروں کو برابر کھینچتی رہتی ہیں۔

اور وہ آخر میں ان کا شکار ہو جاتا ہے۔ رشیوں کے حالات پڑھو۔ پورانوں کے بیانات پر غور کرو جو ایک وقت مُکتی کی حالت میں گیا۔ دوسرے وقت اس کو بندھن کی اوستھا میں آنا پڑا۔ کیونکہ موکش کے خیال کے پیٹ میں بندھن کا بیج ہمیشہ چھپا رہتا ہے۔ جو سمجھتا ہے کہ ہم ترقی کی راہ میں گرم رفتار ہو کر عروج حاصل کریں وہ گرتے پڑتے ہوئے اس تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ مگر پھر گر پڑتا ہے کیوں؟ کیونکہ ترقی کیساتھ تنزلی۔ کمال کے ساتھ زوال۔ بقا کے ساتھ فنا۔ پائداری کے ساتھ ناپائداری کا رہنا ضروری۔ لازمی اور شرطیہ ہے۔ اگر ایک ہے تو اس کے ساتھ دوسرا بھی ہے۔ جو ایک کہتا ہے وہ بطرز مختلف دوسرے کی ہستی کا اعلان کرتا ہے۔ اس لئے جو اصلی سمجھ رکھنے والے ہیں وہ اپنی معراج اس قسم کی تلاش کرتے ہیں۔ جو بندھ و موکش سے پرے ہے۔ جو عروج اور زوال سے دور ہے۔ جو ترقی اور تنزلی سے دور ہے۔ جو جنم اور مرن سے جدا ہے۔ اوپر چڑھ کر نیچے گرنا نیچے گر کر اوپر چڑھنا نظام کائنات کے کاروبار میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ چمکتے ہوئے پرمانو منجمد اور متحد ہو کر لعل اور جواہر کی شکل میں قائم ہو گئے کچھ دنوں کے لئے یہ حالت نصیب رہی۔ کال بھگوان کے ہاتھ نے پھر اپنا ہتھوڑا اٹھایا۔ اور ان منجمد پتھروں کو کوٹ کوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ وہ ذرہ ذرہ سے الگ پڑے ہیں۔ پرمانوں چھن بھن ہیں جس طاقت نے سب کو گتھ رکھا تھا وہ کمزور ہو کر الگ کھڑی رو رہی ہے۔ کال کا چکر پھر گردش میں آیا۔ گھومنے والی چرخی نے پھر ان سب ذروں کو اکٹھا کیا ان سے پھر لعل اور زمرد بنے اور پھر وقت پر نشٹ بھرشٹ ہو گئے۔

بندھ ہے۔ یہ موکش ہے۔ سالوک پد کو حاصل کرو سامیپا وستھا کو پراپت کرو سارو پ حالت میں چلے جاؤ۔ سائج پدوی کے حق دار ہو جاؤ۔ یہ چار طرح کی مکتیاں ہیں۔ مگر ان سے پھر لوٹنا پڑتا ہے ان میں پائداری نہیں ہے۔ کیونکہ پائداری کے خیال کے ساتھ ساتھ ناپائداری رہتی ہے۔ ہزار باتیں بناؤ۔ ہزار منطقی دلائل اور فلسفیانہ مسائل میں تشفی اور تسلی کا سامان تلاش کرو۔ مگر اصلی تسلی کہاں؟ سچے اطمینان کی صورت کہاں؟ اور یقینی و جمعی کی اُمید کہاں؟ جو ہے وہ ہے۔ مکتی کی اصطلاح سے تم بندھن کے مفہوم کو کب جُدا کر سکتے ہو؟ وہ پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔ ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک دوسرے سے کبھی جُدا نہیں ہوئے۔ نہ ہوں گے اور نہ ہونے والے ہیں۔ لاکھ باتیں بناؤ۔ لاکھ من کی سمجھوتی کرو۔ لاکھ یقین اور اطمینان کی تدبیریں سوچا کرو۔ مگر یہ تصور کبھی دور نہیں ہونیوالا ہے کیونکہ بندھ اور موکش ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ کیا ہوا اگر جگ جگانتر اور کلپ کلپانتر کی مکتی پراپت بھی ہو گئی۔ سرشٹی کے پرواہ میں اور کال چکر کے دوران میں ان کی حیثیت ہی کیا ہے؟

اسی طرح ارتھ کے ساتھ انرتھ۔ دھرم کے ساتھ ادھرم۔ کام کیساتھ اکام۔ رہتے ہیں کونسا دولتمند ہے جس کو مفلسی کا خوف نہیں۔ کونسا دھارمک انسان ہے۔ جو ادھرم اور بیدینی کے کام سے نہیں ڈرتا۔ یا امتحان اور آزمائش کے وقت ادھرم کا کام نہیں کر گذرتا سچ کا پابند آدھا جھوٹا ہے۔ ایمانداری کا ڈھنگ مارنے والا آدھا بے ایمان ہے۔ جو خواہش کرتا ہے۔ خواہشوں کے گورکھ دھندوں میں پھنسا رہتا ہے۔ اس کی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایسا وقت بھی آ جاتا ہے جب تجربے

کی وسعت۔ دنیا کا علم۔ زندگی کے کاروبار اس کو بُری طرح سے نراش کر دیتے ہیں۔ اور وہ کچھ دیر کے لئے خواہشوں کے دام تسلسل سے متنفر۔ مکدّر اور محترز ہو جاتا ہے۔ مگر یہ حالت کب تک رہتی ہے۔ ہمیشہ نہیں رہتی۔ گھڑی کا لنگر کبھی اُدھر جھکتا ہے۔ کبھی اُدھر جھکتا ہے گاڑی کا پہیہ کبھی آگے چلتا ہے۔ کبھی پیچھے کی طرف لوٹتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ تیرتھ کرنے سے بیرونی اور اندرونی صفائی حاصل ہوتی ہے۔ ان کا حاصل کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ یہ سچ ہے کہ سنتوں کے ملاپ سے ارتھ دھرم۔ کام۔ موکش کی پراپتی کے سادھن ہاتھ آتے ہیں اور ان کا پراپت کرنا بھی ضروری ہے اور لازمی ہے۔ مگر گہرے ظرف کا انسان کچھ اور بھی چاہتا ہے۔ وہ کسی ایسے معراج۔ ایسے آدرش اور ایسے زبردست زبردست مقصد کا دلدادہ ہے۔ جو ان وسیلوں سے نہیں ملتا وہ کہاں ملتا ہے؟ کس طرح سے ہاتھ آتا ہے۔ کس تدبیر سے پراپت ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ وہ صرف گورو کے فیض خدمت سے حاصل ہوتا ہے۔

ستگور ملیں انیک پھل کہیں کبیر بچار

ممکن ہے تم پوچھو۔ کہ آخر گورو بھی تو اگر دھرم ارتھ کام نہیں تو مکتی کا سادھن بتائے گا۔ مکتی کا اُپائے بتائے گا۔ مُکت ہونے کا ساہس دلائیگا نہیں دوستو نہیں! یہ خیال غلط ہے۔ گوروان میں سے کسی گورکھ دھندے میں نہیں پھنساتا۔ وہ گورو اور ہیں۔ یہاں گورو کا لفظ نہیں استعمال کیا گیا۔ ست گورو کہا گیا ہے ست گورو ہے اشٹ کا۔ آدرش کا۔ مکمل حالت کا۔ جو پرکاش سروپ ہے۔ جس کا انہار زبان اور قلم سے نہیں ہو سکتا جو بانی اور من کا وشے نہیں ہے اس کا پراپت ہونا ہی سب کچھ ہے۔ وہ اب بھی پراپت ہے۔ اپراپت نہیں ہے۔ آئڈیل ہے۔ اس کے ملنے کا لفظ بھی صرف

بیوہارک درشٹی سے کہا گیا ہے۔

جس وقت گورو کا درشن ملتا ہے۔ دوندا ورمتضاد حالتوں کی گتھیاں خود بخود سلجھی ہوئی دکھائی دیجاتی ہیں۔ اشارے کی اُنگلی اُٹھی نہیں کہ اصلیت کی خبر پڑی نہیں۔ ستگورکیا کہتے ہیں۔ وہ دھرم۔ ارتھ۔ کام موکش کے جھگڑوں میں نہیں پھنساتے۔ نہ ان میں سے کسی کی ضرورت محسوس کراتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں۔

آپ آپ کو آپ پچھانو
کہا اور کا نیک نہ مانو

یہ ان کی تعلیم کا ماحصل ہے۔ یہ ان کے اُپدیش کا خلاصہ ہے۔ اِدھر جھکو نہ اُدھر جھکو۔ نہ ادھر دیکھو نہ اُدھر دیکھو۔ صرف اپنی ذات کی طرف توجہ کرو۔ جو کچھ ہے وہ تمہاری ذات ہی ہے۔ اگر ذات کا علم حاصل ہوگیا تو اور کسی علم کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ علم ذات کا عالم سارے برہمانڈ کے اسرار سے واقف ہوجاتا ہے۔ اور جہاں یہ واقفیت حاصل ہوئی پھر نہ کہیں بندھ ہے۔ نہ موکش ہے۔ یکبارگی حقیقت کا پردہ اُٹھ جاتا ہے اور سچائی اپنی جھلک دکھا جاتی ہے۔

دنیا کے معلّم کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔ ان کے قول اور فعل کا اعتبار نہیں۔ ان کے دل اور زبان کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہتا ہے قصہ ہے ایک لڑکے کا باپ مرگیا۔ بیچارہ پریشان تھا۔ کسی پنڈت کے پاس گیا۔ اس سے اپنا دُکھ درد کہا۔ پنڈت بولا۔ باپ کے مرنے کا دُکھ نہ کرو۔ اس میں کچھ بھلائی تھی مصیبت زدہ یتیم آنسو پونچھ کر گھر آیا۔ اتفاق کی بات دوسرے دن پنڈت کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ ناچ رنگ جشن خوشی ہونے

لگے۔ یگیہ اور ہون کا اہتمام ہُوا۔ عزیز و یگانے بلائے گئے۔ دعوتیں دی گئیں مصیبت کا مارا یتیم بھی جس کا باپ مر گیا تھا۔ پنڈت کے گھر آیا۔ ہر چہار طرف خوشی اور جشن کے سامان دیکھے۔ وہ پنڈت کے پاس گیا۔ کہنے لگا۔ مہاراج! میرے باپ کے مرنے پر آپ نے کہا تھا۔ دُکھ نہ کرو۔ اس میں بھلائی ہے میں آپ کے لڑکے کے پیدا ہونے پر کہتا ہوں کہ اس کی پیدائش پر سکھ نہ مناؤ۔ بُرائی ہے۔ اگر مرنا بھلا ہے۔ تو پیدا ہونا بُرا ہے۔ اگر تم مجھ کو باپ کے مرنے پر دُکھی نہ ہونے کی تعلیم دیتے ہو تو پھر لڑکے کے پیدا ہونے پر خوشیاں کیوں مناتے ہو؟ پنڈت ناراض ہُوا۔ لڑکے کو جھڑکی دے کر نکال دیا۔ اب تم دیکھو اس دنیا وی عالم کی عملی زندگی کیسی ہے۔

پنڈت اور مشالچی دونو سوجھے ناہہ
اوروں کو کرے چاندنا آپ اندھیرے ماہہ

ایسے لوگوں کی تعلیم کا کوئی نتیجہ نہیں۔ کیونکہ حقیقت میں وہ وہ نہیں ہیں جو کہتے ہیں۔ اگر دل اور زبان ایک حالت پر ہوں تو ان کے کہنے کا کچھ اثر بھی ہو۔

پڑھ پڑھ کر سب جگ مُوا پنڈت بھیا نہ کوے
ڈھائی اکشر پریم کے پڑھے سو پنڈت ہوے
چار اٹھارہ نو پڑھے کھٹ پڑھ کھویا مُول
سُرت شبد چینھے بِنا جیوں پنچھی چنڈول
پڑھ پڑھ کر پتھر بھئے لکھ لکھ بھئے جو اینٹ
تُلسی سنگورو پریم کی ناہیں لاگی چھینٹ

ہاں! دنیا کے کاروبار کے لحاظ سے جو کچھ کہا جاسے سو ٹھیک ہے

مگر جہاں پر مارتھ کا سوال آتا ہے۔ وہاں ان گوروؤں سے کیا ہو سکتا ہے! ایسے لوگ نہ گورو ہیں۔ نہ گورو بننے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ یہ تو پھنسانے والی شخصیتیں ہیں۔ جن کے جال سے چھٹکارا ملنا دشوار ہے گورو جو سچے ہیں۔ وہ صرف ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان کے ہاں کوئی جھگڑا بکھیڑا نہیں۔ نہ کسی سے لینا نہ کسی سے دینا۔ اور روحانی نقطہ نگاہ سے انہیں کی عظمت ہے۔

جو لوگ ایسے گورو کو گوشت اور چمڑے کا مخلوق سمجھتے ہیں۔ غلطی کرتے ہیں۔ وہ اِشٹ ہیں۔ اور آئیڈیل ہیں اور اُن کو اسی درشٹی سے دیکھنا چاہیئے

باکفش دریاے کُل را اِتّصال
هست بےچون و چگانہ در کمال

ان کی دم بھر کی صحبت ہزاروں برس کی خالص بندگی سے لاکھ ہا بلکہ کروڑ ہا درجے بڑھ کر ہے۔ ان کے ملنے سے کیا نہیں ملتا؟ سب کچھ ملتا ہے ان سب کے سامنے ایک اور انیک پھل کا سوال فضول ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن کو ایسے گورو پراپت ہو گئے۔ اب ان کے لئے کچھ کرنا دھرنا نہیں

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

+

دنیا بھرم اور اگیان کی جگہ ہے۔ دھرم ارتھ کام موکش سبھی ہی گیان اگیان نہیں۔ اگیان کا کام کیا جاتا ہے۔ جیسے خواب کی حالت میں خواب کے کاروبار میں مصروفیت رہتی ہے۔ کبھی کبھی خواب میں بیساختہ اس قسم کا کام ہو جاتا ہے کہ آنکھ کھل جاتی ہے۔ اور خواب غلط معلوم ہونے لگتا ہے

پھر نہ خواب ہے نہ خواب کے تماشے ہیں۔ اسی طرح سنسار کے خواب ہیں گورو کا ہاتھ آجانا جگانے والا اور چتانے والا مبارک واقعہ ہے۔ اشارہ کی اُنگلی اُٹھی۔ دل کی حرکت اُدھر رجوع ہوئی۔ لوک۔ پرلوک سب کی خبر پڑ گئی۔ کام بنگیا کام بنا ہوا پہلے بھی تھا۔ بگڑا ہوا کبھی نہیں تھا کیوں اور کسطرح اُس کو بنا ہوا مانا جائے کیونکہ پھر نظام خلقت کے قانون کے بموجب اس کا بگڑنا بھی لازم آئے گا۔ کوئی چیز دراصل مِلتی نہیں۔ پہلے ہی سے ملی ہوئی ہے کیونکہ اگر وہ کسی تدبیر سے مِلتی ہے تو پھر کسی وقت اس کا بچھڑنا لازم آئے گا مگر ایسا نہیں ہے۔

نو آدمی معمولی سمجھ بوجھ والے کہیں کو جا رہے تھے۔ راہ میں ایک دریا حائل ہوا۔ سب یکے بعد دیگرے دریا سے پار ہوئے۔ کنارے پر آکر سوچنے لگے ذرا اپنے آدمیوں کا شمار تو کرلیں نو ہیں یا کوئی ڈوب گیا۔ ایک نے گِن ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ۔ سات۔ آٹھ۔ وہ گھبرا کر کہنے لگا کہ بھئی! آٹھ ہی آدمی تو ہیں۔ دوسرے نے گِنا۔ اس کے شمار کی تعداد بھی آٹھ ہی تک پہنچی۔ تیسرے نے بھی یہی عمل کیا۔ وہ بھی آٹھ سے آگے نہ بڑھا۔ اب تو ساری جماعت گھبرا گئی۔ رونا پٹنا مچ گیا ہائے نواں آدمی ڈوب گیا ہائے ایک ساتھی علیحدہ ہو گیا۔ اتفاق کی بات ایک مسافر کا اُدھر سے گزر ہوا۔ پوچھا تم کیوں رو رہے ہو۔ جواب ملا ہم نو آدمی گھر سے ساتھ چلے تھے۔ آٹھ موجود ہیں۔ نواں نہیں ہے۔ اس نے ہنس کر کہا۔ بھائیو تم نے کیسے جانا کہ نواں نہیں ہے۔ وہ بولے ہم میں سے کئی آدمیوں نے ایک دوسرے کا شمار کیا۔ آٹھ سے زیادہ کی گنتی نہیں ہوتی۔ اس نے ہنسکر کہا بھلا ذرا میرے سامنے تو گنو۔ ایک شخص نے پیشقدمی کی۔ بولا ایک

دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ۔ سات۔ آٹھ۔ دیکھو صرف آٹھ ہی آدمی ہیں۔ مسافر نے جواب دیا احمق! آٹھ یہ ہیں اور نواں تو ہے۔ دوسروں کو گنتا ہے۔ مگر اپنے کو نہیں گنتا۔ یہ غلطی ہوتی ہے۔ اب تو سب کو عقل آگئی اور خوشی خوشی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے۔

نواں موجود تھا۔ ڈوبا نہیں تھا۔ صرف بھرم تھا۔ مل گیا کیا وہ سچ مچ ملا؟ ملا تو اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ ان کے درمیان نہ ہوتا۔ اسی طرح ہماری ذات ہم میں ہے۔ ہر وقت انگ سنگ رہتی ہے۔ مگر بھرم اور دھوکا ہے اس بھرم اور دھوکے کے دور کرنے والے کا نام گورو ہے۔

لوگ سب کچھ گنتے ہیں۔ مگر اپنا شمار نہیں کرتے۔ رات دن تیرتھ۔ ورت۔ ارتھ۔ دھرم کام۔ موکش کا جھگڑا مچا ہوا ہے۔ لوک پرلوک۔ عذاب و ثواب۔ کرم دھرم پر بحث مباحثے ہوا کرتے ہیں۔ مگر اپنی طرف کسی کا خیال نہیں۔ سب باہر مکھی ہیں۔ انتر مکھی کوئی نہیں۔ آنکھیں خارجی دنیا کی طرف کھلی ہوئی ہیں۔ باہر کے نظارے پیش نگاہ ہیں۔ یہ خبر نہیں، کہ یہ باہر کا جگت کہاں سے آیا۔ حقیقت میں وہ ہم سے ہے۔ ہم میں ہے۔ وہ ہم سے جدا نہیں ہے۔ یہ جگت کیا ہے؟ یہ مایا ہے۔ مایا کا روپ چھایا سے مشابہ ہے۔ چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ آدمی سنسان جگہ میں پہنچا۔ اپنی سایہ پر نگاہ کی۔ دل میں ڈرا۔ سایہ کو پکڑنے کے لئے دوڑا سایہ آگے آگے دوڑتا چلا جاتا ہے۔ یہ پیچھے پیچھے لٹھ لئے ہوئے بھاگ رہا ہے۔ سائے کو کیسے پکڑے! کیا آج تک کسی نے سایہ کو بھی پکڑا ہے؟ آخر تھک کر ایک جگہ ٹھہر گیا۔ سایہ بھی اس کے ساتھ ٹھہر گیا۔ اب جا کر اسکو ہوش ہوا کہ یہ تو اپنا ہی سایہ تھا۔ اور بھرم اگیان جاتا رہا۔ سایہ کے پیچھے دوڑو سایہ بھاگتا ہے۔ سایہ کے آگے دوڑو۔ سایہ پیچھا کرتا ہے۔ یہ جو کچھ علوم و فنون۔

ایجادات اور اختراعات۔ سائنس اور فلسفے۔ ریمیا۔ کیمیا۔ سیمیا وغیرہ ہیں۔ سب تمہاری ہی ذات کے سایہ ہیں۔ تحقیقات کرو۔ جستجو کرو۔ تفتیش کرو۔ جانچ کرو۔ پڑتال کرو۔ سب کا کچھ نہ کچھ نتیجہ تو ضرور ہی ہوگا۔ مگر ملیگا کیا؟ سایہ تو سایہ ہی ہے۔ لاکھوں جنم ان کے لئے ان کے پیچھے دوڑتے رہو۔ نہ کبھی سیری ہوگی۔ نہ شانتی نصیب ہوگی۔ کیونکہ ان کے سلسلے میں بھرم اور دھوکہ رہتا ہے۔ یہ سایہ ہی تو ہیں۔ اصلیت تو نہیں ہے۔ اصلیت ہوتی تو ملتی۔ سایہ کب کسی کے ہاتھ آیا ہے؟

چھایا مایا ایک سی برلا جانے کوے
بھگتا کے پاچھے لگے سنمکھ بھاگے سوے

اس مایا کی اصلیت کی خبر دینے والے اور ذات کی طرف اشارہ کی انگلی اُٹھانے والے کا نام گورو ہے۔ اس مایا نے سب کو ٹھگا۔ گورو کو نہ ٹھگ سکی۔ اُلٹی گورو سے ٹھگی گئی۔

مایا تو ٹھگنی بھئی ٹھگت پھرے سب دیش
جا ٹھگ نے ٹھگنی ٹھگی تا ٹھگ کو آدیس

تلاش کرو۔ کسی ایسے صاحب کمال کو جو تم کو اصلیت کا پتہ بتائے۔ اور تم اس سے مل کر اسکی طرح ویسا ہی ہو رہو۔ پھر دیکھو کہ کتنے پھل تم کو ملتے ہیں۔

مایا تو بھئی موہنی موہ لیا سنسار	گورو کی کرپا پا رتے کوئی گیا ہو پار
مایا کے سیوک سبھی راجا رنک فقیر	نندن مارے بان تک بیدھے سکل شریر
مایا تو پھانسی بھئی پھانس لئے سب کوے	کیول گورو کی کرپا سے مکتی ہوے تو ہوے
گورد کو ملتے رلکھئے سنئے بچن بچار	گورو کرپا سے سادھو اچھوٹے سنکل بندیار

حقیقت

چوپائی

(منتخب از کلام حضور رادھا سوامی دیال صاحب)

تم دیپک میں جیوتی ہوں پتنگا — بھسم کیا من تمرے سنگا
تم بھرنگی[1] میں کیٹ ادھینا — مل گئے رادھا سوامی اتی پربینا
تم چندن میں جیوتی ہوں بھوانگن — سیتل بھئی لگ تمرے چرنن
تم سمندر میں لہر تمہاری — تم سے اٹھ پھر تم ہی سماری
تم سورج میں کرنی آئی — تم سے نکسی تم ہی سمائی
تم موتی میں بھئی جیوتی دھاگا — سنگ تمہارا کبھی نہ تیاگا
تم چندا میں کلا تمہاری — گھٹ بڑھ تمہری دھاری
میں بالی تم پتو ارو ماتا — تمہری گود کھیلوں دن راتا

---

[1] بھرنگی ایک قسم کی مکھی ہوتی ہے وہ کیڑے کو پکڑ کر اپنے چھتے میں بند کر دیتی ہے۔ کیڑا اسکا تصور کرتے کرتے بھرنگی ہی کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور پردار ہو کر باہر نکل آتا ہے اور بھرنگی ہی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عمل تصور سے پریمی پریتم کے روپ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

میں مچھلی تم نیر اپارا   کیل کروں سوامی تمھری لارا
میں پپیہا تم سواتی کے بادل   سکھ پائے دکھ گئے ہیں سا تل
تم چندا میں کمودنی ہیلی   تمھری لگن میں بن ون بھینی
میں دھرتی تم گگن براجے   کیسے ملوں سوامی تم سنگ آجے
سرت نرت سے چڑھ کر دھاؤں   کبھی نہ چھوڑوں آس لپٹاؤں
میں بھئی دیہی تم بھئے سو انسا   تم بن نہیں جیون کی آسا
تم بھئے مو میگھا میں بھئی مورا   تمھرے درس میں کرتی شورا
میں بلبل تم گل کی کیاری   میں قمری تم سروا پاری
تم چندا میں رین اندھیاری   تم سے سوبھا بھئی ہے ہماری
میں بھجنگ تم ہو من میرے (سانپ)   تیج تمہارے سکھ گھنیرے
میں کملا تم سور پرکاسی   درس تمہارے پاؤں ہلاسی
میں سرور (تالاب) تم کمل انوپا   سوبھا پاؤں میں تمھرے روپا
تم سرور میں بھئی ہوں ہنسلا   موتی چگوں اور دیکھوں لیلا
میں چکور تم چندر سمانی   واہ میرے پیارے رادھا سوامی
دھن دھن رادھا سوامی مہر گنگور   چن یہ موج دکھائی چڑھ کر

دوھا

اب آرت پورن بھئی من پایا بسرام
رادھا سوامی چرن پر کوٹ کوٹ پرنام

*

ہر چیز اپنے اصل سے پہچانی جاتی ہے۔ مچھلی پانی میں رہتی ہے۔ وہ مچھلی

کی اصل ہے۔ پانی سے اس کو جدا کر دو۔ وہ تڑپنے لگے گی اور مر جائے گی۔ کوئی شے اپنے اصل سے جدا ہو کر نہیں رہ سکتی۔ اُس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ اصلیت میں وہ کیا ہے۔ یہ اس کی سچی پہچان ہے۔ گورو نانک صاحب کی بانی میں ایک بہت ہی نتیجہ خیز دوہا آیا ہے۔ اصل دوہا تو ہم کو اس وقت یاد نہیں ہے۔ صرف اس کا مطلب یاد ہے اور ہم اس مطلب کو اپنی زبان میں اس طرح ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں "غریب بیچاری مچھلی پانی میں خوشی سے رہتی تھی۔ کبھی اِس طرف کبھی اُس طرف کھیلتی تھی۔ بیرحم ماچھی نے جال ڈال کر اسکو پکڑ لیا۔ پانی سے باہر لایا۔ مچھلی تڑپنے لگی۔ اور چاہتی تھی کہ اچھل کود کر پھر پانی کے اندر چلی جائے۔ مگر ظالم نے اس کو پکڑ کر پٹک دیا اور وہ ہلاک ہو گئی۔ اپنے گھر لایا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر کے دیگچہ میں پکنے کے لئے رکھا۔ پک گئی اس لئے کھا لیا۔ پیاس کی شدت بڑھی اور ماچھی پانی پانی کرتا ہوا تڑپنے لگا حقیقت میں یہ مچھلی ہی ہے جس کے کھا لینے سے پیاس اس کو اس قدر ستانے لگی۔ یہ پریت کی زینت ہے۔ مرنے پر بھی اپنے اصل اور اپنی ذات کی تلاش ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند[1] — از جدائیہا شکایت میکند
از نیستاں تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش — باز جوید روزگارِ وصلِ خویش
(مولوی روم)

---

[1] ترجمہ۔ بانسری کی سنو کیا کہہ رہی ہے۔ اسکو جدائی کی شکایت ہے۔ کہتی ہے جب سے مجھ کو بانس کی کوٹھی سے جدا کر دیا گیا ہے۔ میں چلاتی رہتی ہوں۔ میرے شور کے نالوں سے مرد و عورتوں کے دل پر سوز پیدا ہوتا ہے۔ جو اپنے اصل سے جدا ہے۔ وہ اس سے پھر ملنے کا موقع تلاش کرتا رہتا ہے۔

اور جتنی چوپائیاں آئی ہیں۔ وہ ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک اسی قسم کے اشارے بتاتی ہیں۔ ہر شے کو اپنے اصل کی تلاش ہے۔ ہر وجود اپنے اصل میں رہتا ہُوا بھی وہ اسی کی دُھن میں ہے۔

پانی تہہِ خاک کو رواں ہے
لو شعلہ کی سوئے آسماں ہے

پپیہا سوانتی کی بوند کے لئے تڑپ رہا ہے۔ پروانہ شمع کے اردگرد طواف کر رہا ہے۔ بادل کو دیکھ کر مور ناچ رہے ہیں۔ سورج کی روشنی میں کنول اور چاندنی میں کمدنی کھلتی ہے۔ چمبک کی طرف لوہا کھچتا ہے۔ سمندر سے لہریں اٹھ اٹھ کر اس میں سماتی ہیں۔ سورج کی کرنیں اپنے اصل سے نکل کر کھیل کود کے بعد پھر اس سے مل کر ایک ہو رہتی ہیں۔ چکور چاند کی نورانی صورت پر ٹکٹکی جمائے ہوئے اپنے ہوش وحواس کھو دیتا ہے جسم سے سانس نکلتی ہے اور پھر اسی کی طرف پلٹ جاتی ہے۔ اسی طرح بالکل اسی طرح اس سمدر روپی سرشٹی میں جوار بھاٹے آتے ہیں۔ اور اپنے اصل کی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

ہم اور تم آخر کیا ہیں؟ ایک آتشکدہ کی چنگاریاں ہیں۔ جو کبھی نہیں بجھنا۔ ایک لافانی سمندر کی بوندیں ہیں جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔ اسی میں ہیں اسی کے ہیں۔ اُسی سے ہیں۔ اس سے ایک دم کے لئے بھی جُدائی نہیں ہے۔ مگر کسی نہ کسی وجہ سے بیچ میں پردہ حائل ہے۔ چمڑے کی برہنہ آنکھوں سے اس کو نہیں دیکھتے۔ گھبرا رہے ہیں۔ دل میں ایک خاص قسم کی جس موجود ہے۔ جو کسی نہ کسی شکل میں اس کو محسوس کراتی رہتی ہے۔ اس جس کی آواز کو آج تک نہ کوئی روک سکا نہ روک سکے گا۔ من کی کرید کبھی خاموش ہونیوالی نہیں ہے

مگر کیا سبب ہے کہ ہم اگیان اور جہالت میں ہیں؟ سورج سے زندگی کی کرنیں نکلیں۔ ان کرنوں کے بین بین حلقے اور دائرے بنتے گئے۔ حلقے اور دائرے مجسم ارواح کے مسکن بنے۔ یہ مجسم ارواح بھی حقیقت میں سورج کی آتش ہی ہیں۔ مرکز ایک ہے۔ اس سے بیشمار خط نقطے اور دائرے نکلتے ہیں۔ بلکہ مزہ تو یہ ہے کہ اور جتنے بیشمار دائرے چھوٹے موٹے بنتے ہیں سب کا مرکز وہی ایک ہے۔ اور چشم باریک بین کے لئے اس کے سوا اور کوئی کہیں نظر نہیں آتا۔ مگر اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس ایک کی سمجھ ابتک کسی کو نہیں ہے۔ دیال پرش اپنی دیا سے فرماتے ہیں۔

میں بھئی وہی تم بھئے سانسا
تم بن نہیں جیون کی آسا

جسم کا آدھار سانس ہے۔ زندگی کا مدار سانس ہے۔ جب تک سانسا تب تک آسا۔ مگر ظاہر اجسم اور سانس دو ہی نظر آتے ہیں اور اس وقت تک برابر اسی طرح نظر آتے رہیں گے۔ جب تک اگیان دور نہیں ہوتا اگر آدھار پر۔ مرکز پر۔ مدار علیہ پر نظر پہنچ جائے تو ابھی حقیقت کا پردہ کھل جائے۔ مگر نگاہ کیسے جائے؟ سبب یہ ہے کہ روحانی دھاروں کے سلسلہ ہیں جو مخلوق پیدا ہوئی ہے۔ اس کی نظر باہر کی طرف ہے۔ اندر کی طرف نہیں ہے۔ اندر کی طرف ہوتی تو یہ بھرم نہ ہوتا۔ من اپنے اندر سے سنکلپ وکلپ کی دھاروں کو باہر پھینکتا رہتا ہے۔ نگاہ باہر ہی کی طرف جاتی ہے باہر ہی اُس کی کشش اور دلبستگی کا سامان ملتا ہے۔ اور اس لئے وہ خواہ مخواہ یوں ہی خیالی طور پر مرکز کے فاصلہ کو طول کرتی جاتی ہے۔ فاصلہ بڑھ رہا ہے۔ اور نتیجہ پریشانی ہے۔ اس ذری سی بات کے سمجھنے کے لئے منطق

دلائل کی ضرورت نہیں۔ ذرہ سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے۔ من کو روک دو۔ وہ ختم جائے۔ اس میں داخل ہو کر ماہیت تلاش کرو۔ پھر پتہ لگے گا کہ اصلیت کیا ہے۔

من ہے۔ یہ تو ہر شخص سمجھتا ہے۔ یہ من اس مادّی جسم کا مرکز ہے۔ اس سے دھار چل کر آنکھوں میں اُترتی ہے۔ ناک۔ کان۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ اور ساری اندریوں پر آتی ہے۔ یہ معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ اگر من اندریوں کے ستھان پر نہ بیٹھے تو کوئی اِندری کبھی اپنا کام نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اصلی طاقت جو ان کو ملتی ہے وہ من ہی سے آتی ہے۔ آنکھیں کھُلی ہیں۔ کان کھُلے ہیں۔ ایک خوش تقریر اپنا وعظ سنا رہا ہے۔ مَن کلکتہ کی طرف دوڑ گیا۔ وعظ ختم ہُوا۔ ایک لفظ بھی نہیں سننے میں آیا۔ کیا اُس سے ثابت نہیں ہوتا کہ سننے والا من ہی تھا؟ شہروں کے گلی کوچوں سے نکلتے ہو۔ ہزارہا قسم کے نظارے بکھرے ہوئے ہیں۔ مگر صرف انہیں چیزوں کو دیکھتے اور خیال کرتے ہو جن کی طرف من رجوع ہے دوسرے نظر نہیں آتے۔ اس کا سبب صرف یہی ہے کہ من ان کی طرف متوجہ نہیں ہُوا اگر اور کوئی دوسرا سبب ہے تو ہم کو بتا دو۔ ہم بھی اس کو سُن لیں۔ یہ من حقیقت میں دونو طرف سے شامل ہوتا ہے۔ ایک تو اپنی دھار اور اندریوں کی پیدا شُدہ ورتی میں رہتا ہے۔ دوسرے اُس شَے میں بھی آکر بیٹھتا ہے جس کا بھوگنا جس کا دیکھنا اور جس کا سننا سونگھنا اور جاننا مطلوب ہے۔ علم اس طرح حاصل ہوتا ہے جس طرح من اپنی رچنا اِس باہری جگت میں کرتا ہے۔ ویسے ہی اس کی رچنا اندرونی دنیا میں بھی ہوتی ہے۔ اس من کی اُپج پر ذرہ غور کرو۔ اور تمہاری سمجھ میں اس کی صورت آنے لگے گی۔ یہ من ہی ہے جس کا تماشا اندر باہر ہو رہا ہے۔ مگر ظاہر بین انسان صرف سطح کی طرف نظر کرتا ہے۔

اگر اس من کی قلابازیوں کا پتہ لگنے لگے تو آسانی سے حقیقت کا پردہ کھل رہے مگر کھلے کیونکر۔ وہ تو باہر مکھی ہے۔ اندر کی طرف تو جاتا ہی نہیں۔ اگر ذرہ اندر دھنسنے کا راز سمجھ میں آ جائے تو پھر آسانی معلوم ہونے لگے کہ یہ جو کچھ پسارا یا بھینتر دکھائی دے رہا ہے۔ وہ من ہی کا ہے۔ من ہی کی موٹی دھاروں نے مختلف عناصر کی صورت میں کثیف شکلیں اختیار کر رکھی ہیں۔ من ہی سب کچھ ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آ جائے تو پھر اور آگے بڑھنے کا راستہ کھلے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ جس کے آدھار پر یہ من کام کرتا ہے وہ کیا شے ہے۔ من کا سمجھنا۔ من پر عبور پانا۔ من کی ماہیت پر قادر ہونا معرفت کی منزل میں پہلا مرحلہ ہے۔

بیداری کی حالت میں تو من کا روپ تم باہر کی جگت میں دیکھتے ہو۔ حالت خواب میں انتری جگت میں بھی وہی تماشا نظر آ رہا ہے۔ وہاں کیا ہے۔ نہ اندریاں ہیں نہ اندریوں کے دیکھنے کے سامان ہیں مگر کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ سب کچھ اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے اور ان کو بھوگ کرے۔ ان کو دیکھ کر ان کو سن کر چکھ کر چھو کر کبھی دکھی اور کبھی سکھی ہوتا ہے۔

من کا رُوپ نہارو۔ سادھو من کا روپ نہارو
من ہی راجا من ہی پرجا۔ من کا سکل پسارو
من ہی کوئل من ہی نرمل۔ من ہی اتی ہی کرارو
من رنجھ گج ہے سب کچھ ہے۔ من ہی بنو اسوارو
من پرلوک لوک یہ من ہے۔ من ہی جگت بستارو
گیان وِراگ بھگتی سب من ہے۔ من ہی اِشٹ کرتارو
سمجھ بوجھ انبھو سب من ہے۔ من ہی اچار وچارو
من تریا۔ من ماتو۔ بندھو۔ کل۔ من سُت گرہ پروارو

من شدھ بدھ من کام کرودھ (غصہ) من میں بھر بکار (برائی) رو
من کو سودہ چلو۔ گگنا (افلاک) پر۔ سنو۔ رادھا سوامی پکار رو

ساکھی کبیر صاحب

دوڑت دوڑت دوڑیا جہاں لگ من کی دوڑ
دوڑ تھکے من تھیر (شانت) بھیا۔ وستو چھوڑ (جلد) ر کی ٹھور

تمہارا یہ من اس جگت کا رہنے والا ہے۔ جس طرح یہ پنڈی من ہے ویسے ہی اس کے اوپر ایک برہمانڈی من بھی ہے یہاں اس کا کھیل ہے۔ وہاں اس کا کھیل ہے۔ اس جگہ وہ من ہے۔ اس جگہ اس من کو برہم کہتے ہیں۔ یہ یہاں پھیلا ہوا ہے وہ وہاں محیط کُل ہے۔ جو یہاں ہے وہی وہاں ہے "پنڈے سو برہمانڈے" اور یہ دونوں جس کی اصلیت پر اپنے پھیلاؤ۔ سمٹاؤ۔ اور وِستار کا تماشا دکھا رہے ہیں۔ وہی دراصل حقیقت ہے۔

ہم نہیں کہتے کہ جگت مِتھیا ہے کہنے والے کسی اور نظر سے جگت کو متھیا بتا گئے ہیں۔ تم جگت کو جس طرح دیکھتے ہو۔ جس طرح مانتے ہو جس طرح سمجھتے ہو ویسے ہی دیکھتے۔ مانتے اور سمجھتے رہو اس سے کوئی نقصان نہیں ہے لفظوں کے گورکھ دھندوں میں نہ پھنسنا منظور رہے نہ پھنسانا منظور ہے جگت اگر سچا پرتیت ہوتا ہے تو کیا مضائقہ ہے۔ تم جگت کو دیکھ رہے ہو۔ ہزار کوئی کہے یہ متھیا ہے تم نہ مانو گے۔ کیونکہ متھیا کی اصلی مراد تمہارے ذہن نشین نہیں ہوئی ہے۔ جگت کو یوں ہی اپنی درشٹی سے دیکھتے ہوئے ذرا غور اور خیال کی رگ کو حرکت دیتے چلو۔ آپ ہی آپ بلا تردد کسی نہ کسی روز خبر پڑ جائے گی۔ اسی طرح سگن اور نرگن کی اصطلاحات کو بھی نظر انداز کر دو۔ تم جس طبقہ پر نشست

رکھتے ہوئے جس طرح اس کو دیکھتے ہو۔ ہم بھی تمہارے ساتھ اسی طبقہ میں بیٹھ کر تمہاری نگاہ کو ذرا اونچا کر دیں گے اور کچھ نہیں۔

حقیقت ایک ہے دو نہیں ہے اور دو ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ یہاں دو کی گنجائش محال ہے۔ محیط کل شئے جب ہوگی ایک ہی ہوگی۔ دو چیزوں کا محیط کُل سمجھنا نادان اور بےعقلوں کی گفتگو ہے اور "ایک" کا لفظ بھی یہاں مصلحتاً بھلانے بجھانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ورنہ حقیقت میں جو ہے وہ ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

مثال کے طور پر سمجھو مثال کا صرف ایک ہی انگ لینا۔ ورنہ غلط فہمی ہوگی۔ صرف کہنے والیکے نفس مُراد تک اپنی نظر کو محدود رکھنا چاہیئے۔ ایک چراغ جل رہا ہے۔ دیکھو اس کے سرے پکالے رنگ کا دھواں نکل رہا ہے دھوئیں کے ذرا نیچے سُرخ رنگ کی روشنی ہے۔ سُرخ روشنی کے اور تلے مرکزی نقطے کے قریب سفید رنگ کی روشنی ہے۔ یہی سیاہ۔ سُرخ اور سفید دھاریں پورانکوں کی اصطلاحات کے بموجب شیو۔ برہما۔ اور وشنو ہیں جن کو تم۔ تم اور ست کا روپ مانا جاتا ہے۔ اور یہ جس کے آدھار پر ہیں وہ برہم ہے اسی کا نور سب میں ہے۔ وہ نور سفید سُرخ روشنی میں بھی ہے اور سیاہ رنگ کے دھوئیں میں بھی ہے۔ نور سے وہ بھی خالی نہیں ہے۔ کیونکہ کاجل میں بھی ایک طرح کی چمک ہوتی ہے۔ بغیر پر کاش کے نہ تو کوئی ٹھہر سکتی ہے۔ نہ اس کا علم ہی ہو سکتا ہے اب بتاؤ۔ چراغ کی مختلف قسم کی روشنی کی دھاروں میں وہ نور تم کو پرتیت ہوتا ہے یا نہیں ہے۔ اسی طرح یہ سارا جگت اُسی ایک سروانتر یامی۔ سرو شکتی تنترآتما اور سَرو دیاپک کی ستّا میں تھما ہُوا۔ پیدا ہوا لمحہ لمحہ تبدیل ہوتا ہُوا نظر آرہا

ہے۔ سب اس سے نکلتے ہیں اس میں رہتے ہیں۔ اور اسی میں لوٹ جاتے ہیں۔ ہر شے میں اس کا ظہور ہے۔ اور وہ وحدہٗ لاشریک لہٗ۔ واحد ہوتا ہُوا کثرت کا تماشا دکھا رہا ہے۔ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت ہے ایک ولیشی میں سرب ولیشی اور سرب ولیشی میں ایک ولیشی موجود ہے۔

مگر دنیا میں مختلف حالتیں مختلف صورتیں۔ مختلف مناظر نظر آ رہے ہیں۔ اس کا مضائقہ کیا ہے! نظر آنے دو۔ اس کے نظر آنے سے تمہارا نقصان ہی کیا ہوتا ہے۔ رام۔ کرشن۔ دیووت۔ وشنبھ۔ سب کو یوں ہی اپنا اپنا کام کرنے دو۔ تم کو تو صرف اس کی ستّا کی رمزِ حقیقت کے سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیئے جو ان سب میں اوت پروت ہُوا ہوا ہے۔ اگر تم اس بات کو اس طرح مانتے ہو کہ تم بھی ہو اور تمہارا مالک بھی ہے۔ تب بھی میری سمجھ میں ہرج نہیں ہے۔ کیونکہ موجودہ حالت میں رہتے ہوئے اسی خیال کے ساتھ حقیقت کے سمجھنے کی ابتدا ہوتی ہے۔ دویت اور ادّویت صرف کتھن ماتر ہیں۔ اگر صحیح ہیں تو دونوں ہی صحیح ہیں۔ اور اگر غلط ہیں تو دونوں ہی غلط ہیں۔ حقیقت پھر بھی ان سے پرے ہے' ایک' کی خبر دینے والا دوسرے لفظوں میں' دو' کی ہستی کے امکان کی صدا سنا رہا ہے۔ اگر دو نہ ہوتے تو ایک کا خیال کیسے پیدا ہوتا۔ اس لئے صرف مغزِ سخن کے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور لفظوں اور اصطلاحوں سے صرف اُتنی ہی مدد لینی چاہیئے۔ جتنی حقیقت کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ بات اشاروں میں کی جاتی ہے۔ اور اشارہ کی سمجھ عقیل آدمیوں کو ہوتی ہے۔

یہ ہم کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ مکمّل اور اصلی حالت کے حاصل کرنے کے لئے یہ سب لازمی اور ضروری باتیں ہیں۔ سرشٹی میں کوئی حالت غیر

ضروری نہیں ہے! اپنی اپنی جگہ یہ سب اپنا اپنا کام کرتی ہیں۔ دنیا میں ہزاروں مذہب ہیں۔ ہزاروں ہی طرح کے آدمی ہیں تعلیم یافتہ غیر تعلیم یافتہ۔ سب جگہ رہتے ہیں۔ اس لئے اُن کی نسبتی حیثیت اور حالت کے لحاظ سے مذہبی تلقین کا ضرور اہتمام ہونا چاہیئے۔ کال کا جگت ایسا ہی ہے۔ جبتک تم انسان کی زبان میں اُس کی ایسی باتیں نہ کرو وہ کیسے سمجھے گا۔ بعض بات ایسی ہے جو اندریوں کی گرفت میں آتی ہے بعض نہیں آتی۔ لوگ بڑا بنتے ہیں مگر جب ہم بڑے اور چھوٹے کا نظر تعمق سے مقابلہ کرتے ہیں سب ہی ایک شکل کے پرتیت ہوتے ہیں۔ حقیقت میں نہ کوئی یہاں بڑا ہے نہ چھوٹا ہے۔ جس جس طرح جسکی عقل مدارج کا نمو ہے وہ ویسے ہی گفتگو کرتا ہے۔ ان گفتگوؤں کا سمجھنا عاقل انسان کا کام ہے۔ بچہ رام رام کہتا ہے۔ گیانی پرم تتو بتاتا ہے۔ بھگت اسی کو بھگوت بولتے ہیں۔ کیا رام پرم تتو نہیں ہے؟ کیا پرم تتو بھگوت نہیں ہے؟ اپنی اپنی زبان اور اپنے اپنے محاورے ہیں۔ جو جس حالت میں ہے جیسی قابلیت رکھتا ہے۔ ویسا ہی کہتا ہے۔ تم اس کو اپنی سی سمجھو۔ پروانہ شمع پر عاشق ہے۔ بلبل گلاب کی شیدائی ہے۔ بھونرا ہر پھول کا رس لیتا ہے۔ ان سب کو پریم ہے۔ پروانہ۔ بلبل اور بھونرے کے پریم میں کیا فرق ہے؟ پروانہ بلبل اور بھونرے کی صورتوں میں اختلاف ضرور ہے۔ مگر "پریم" میں کیا اختلاف ہے؟ پریم تو اصل میں جو ہے سو ہے قدرت کے مصالحہ سے جس کے گوشت پوست اور من کی جیسی ساخت ہے وہ اسی قسم کے اجزا۔ اسی قسم کی غذا۔ اور اسی قسم کے خیالات کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جو چیز کھینچی جاتی ہے وہ اصل میں ایک ہی ہے۔ کال۔ دیش وستو کی جگت میں وہ چاہے مختلف دکھائی دے۔ اس میں ہمارا تمہارا

کیا ہرج ہے۔ سورج ایک ہے تم اس کو ایک جگہ کھڑے ہو کر دیکھتے ہو ہم دوسری جگہ سے دیکھتے ہیں۔ تیسرا آدمی تیسری جگہ سے دیکھتا ہے۔ دیش۔ وقت۔ ارد گرد کے حالات اور واقعات۔ دیکھنے کے سامان میں فرق ہونے سے وہ مختلف شکل۔ مختلف حالت اور مختلف رنگ میں دکھائی دیتا ہے۔ مگر ہے تو وہ ایک۔ سب کو دیکھنے دو۔ سب کو اپنی طرح پر وچار نے دو۔ سب کو اپنے عقلی مدارج کے انداز سے سوچنے دو تمہارا کوئی کیا لیتا ہے۔ ہاں تم حقیقت رس۔ نکتہ سنج اور مغز سخن کے سمجھنے والے بنو۔ اور تم وحدت میں کثرت اور کثرت میں قلت اور وحدت دیکھتے ہوئے حقیقت کے واصل بنو۔

ہزاروں کتابیں ہیں ہزاروں مذاہب ہیں۔ ہزاروں دنیا میں معلم ہیں مگر کیا کسی کتاب نے کسی مذہب نے کسی معلم نے خدا کو پیدا کیا؟ بلکہ خدا ہی نے سب کو اپنی ستّا دے رکھی ہے۔ سب اس سے سچائی عاریت لے رہے ہیں۔ اگر خدا ایک ہے تو پھر جھگڑا کس بات کا ہے؟ کوئی جیسے چاہے ویسے کہے۔ جو جیسا ہے ویسا ہی کہے گا تمہاری اُپج وہ کہاں سے لائے؟ مگر یہ سچ ہے کہ حقیقت ایک ہے۔ حقیقت خدا ہے۔ حقیقت میں بحث مباحثہ اور جھگڑا نہیں ہے۔

اس حقیقت کی سمجھ گورو سے آتی ہے۔ گورو حقیقت ہے جو بلند نظری اور وسیع خیالی کی دولت بخشتا ہے۔

دھن دھن رادھا سوامی میرے ستگور
جن یہ موج دکھائی چڑھ کر

اگر تم چاہو کہ کتابوں سے یہ حقیقت حاصل ہو تو سمجھ لو تم غلطی

پر ہو۔ ظاہری نا شمان اور جڑ کی اوستھا میں رہنے والی شے بھی تم کو حقیقت تک نہ پہنچا ئے گی۔ تم جب پہنچو گے۔ تب اپنی ہی اندرونی روشنی کی مدد سے پہنچو گے۔ جس کی تحریک ذات مُرشد سے ہوتی ہے۔

سنو! ایک حقیقت کا متلاشی شیو جی کے پاس گیا۔ شیو جی کیلاش میں تھے۔ اس نے جاکر پرنام کیا۔ شیو جی بولے۔ رشی جی کہاں چلے ! یہ بولے۔ مہاراج! میں نے بہت وید ویدانگ پڑھے۔ حقیقت کی سمجھ نہیں آئی۔ اب کوئی ایسی کتاب بتاؤ جس سے اس کے سمجھنے میں مدد ملے۔ شیو جی کھل کھلا کر ہنسے۔ نارد! تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ جواب دیا جوتش ودیا کی کتاب ہے۔ انہوں نے کہا کتاب کو ذرا اُلٹ پلٹ کر دیکھ تو۔ اس میں ستارے چمک رہے ہیں یا نہیں! جواب دیا نہیں شیو نے کہا پھر یہ فضول ہے۔ اے نارد! پراودیا کی سمجھ اپرا ودیا کی پستکوں سے نہیں آتی۔ یہ سمجھ تو صرف اپنے اندر دھنسنے سے پراپت ہوگی۔ یا میری صحبت سے ہاتھ آئے گی۔ کیونکہ میں ہی نور حقیقت ہوں کال سرشٹی میں مَیں مہاکال ہوں۔

میں نے ہی پیدا کیا کُروب کو شیطان کو
وہ ہے میرا نور یہ اخگر ہے میری نار کا

اسی طرح ایک اور شخص کتاب ہاتھ میں لئے ہوئے پرم سنت کبیر صاحب کے پاس گیا اور ایسا ہی سوال کیا جو نارد بھگوان نے شیو جی سے کئے تھے۔ پُرش دیال نے پوچھا یہ پُستک کس مضمون کی ہے۔ جگیا سو بولا اس میں میگھ ودیا کا برنن ہے۔ وہ ہنسے بھلا اس کو نچوڑ تو۔ دیکھوں کتنے بُوند میگھ کا پانی اس سے نکلتا ہے۔ اس نے اس کو دھر کر نچوڑا

ایک ٹوپ بھی پانی نہیں گرا۔ تب مہاراج نے کہا یہ تو خشک چیز ہے اس سے تجھ کو میگھ ودّیا کا گیان کیسے ہوگا۔ جا۔ برستے ہوئے بادل کو دیکھ۔ وچار کر۔ کس طرح شبنم۔ پالا۔ اوس۔ کہر۔ بادل بنتے ہیں۔ تب تب اصلی میگھ ودّیا کا علم تجھ کو ملے گا۔ جس کی تجھ کو تلاش ہے وہ پستک میں نہیں ہے۔ مجھ میں اور تجھ میں ہے۔ زندہ کتاب پڑھ تب حقیقت کو سمجھے گا۔ اس نے ان کے قدموں میں سر جھکا دیا۔ دکیشا لی اور کرتیہ کرتیہ ہوگیا۔

یہاں کتابوں کی مذمت مقصود نہیں ہے۔ کھنڈن سے ہم کو کیا لینا ہے! اس سے کیا ہاتھ آئے گا۔ بات جو اصلی تھی بتا دی۔ سمجھنا نہ سمجھنا تمہارا کام ہے۔ گدھے پر کتابیں لدی ہیں وہ کیا جانتا ہے۔ چمچ سے لذیذ کھانے دیگچے سے نکالتے ہو۔ وہ لذت کو کیا جانے۔

علم چندانکہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند
چار پائے برو کتابے چند

سنت کبیر کی رہنی

اندھ کو درپن وید پورانا (آئینہ) ہج دربی کہا مہا رس جانا (کفچگیر) (اچھی لذت)
جس کھر (گدھا) چندن لادیہ بھارا پرمل باس نہ جان گنوارا (خوشبو)
کہیں کبیر کھوجیں اسمانا (اسمان) سو نہ ملا (زبردست) جیہ جائے ابھمانا (تلاش کرتے ہیں) (جس سے)
جو حقیقت ہے وہ تم میں ہے۔ تم حقیقت ہو۔ ہنس بن کر حقیقت کے

مان سرور کے کنارے موتی چگ چگ کر اپنا کام نکالتے جاؤ۔ سرشٹی کے نظارہ سے شاد کام ہونے کی فکر کرو۔ اور اس طرح کچھ دن گزران کرتے ہوئے مان سرور سے مل کر ایک ہو رہو۔ جو سرچشمہ حقیقت ہے ہائے ہائے نہ کرو۔ اس میں کچھ نہیں ہے۔ اگر تلاش ہے تو تلاش میں چت دو۔ ایک دن اس کو سمجھ ہی لوگے۔ کیونکہ وہ تم سے مختلف اور جدا نہیں ہے۔

قطرہ قطرہ میں نہاں دیکھی حقیقت تیری ‏— ذرہ ذرہ میں عیاں دیکھی صنعت تیری
کہیں مخفی کہیں ظاہر کہیں روپوش ہے تو ‏— ہے نرالی یہ اپیچ اور یہ جدت تیری
مہ و خورشید و ستارے ہیں فلک پر روشن ‏— جلوہ گر سب میں ہے اور سب سے ہے خلوت تیری
آب و آتش کے کرشمے نہیں تجھ سے خالی ‏— اس میں گرمی ہے تو اس میں ہے رطوبت تیری
گل و بلبل کے فسانے ہیں جہاں کو معلوم ‏— سوز اس میں ہے تیرا اس میں نزاکت تیری
برق میں بیکلے چمک تو نے دکھائی ہے دا ‏— ابر کے پردوں میں پنہاں ہے طراوت تیری
دوزخ اور خلد جلالی و جمالی تیری شان ‏— قہر کی شکل ہے گر یہ تو وہ رحمت تیری

غزلیں اپنی تو ہیں توحید کے مضموں سے بھری
گاتا ہوں نظم میں دن رات میں عظمت تیری

چار طرح کے پشو

نر پشو گور پشو نریا پشو وید پشو سنسار
مانش سوئی جانیئے جا ہی بویک بچار (پورن دھنی کبیر صاحب)

انسان انسان ہیں۔ مگر انسان انسان میں فرق ہوتا ہے۔ صورت اور شکل پہ نہ جاؤ۔ کیا ہوا۔ اگر کسی کے دو ہاتھ اور دو پیر ہیں۔ ان کو تم آدمی سمجھتے ہو؟ سمجھا کرو۔ تم کو اختیار ہے۔ کوئی تم سے باز پرس نہیں کرتا نہ یہاں کسی کی زبان بند کرنے کا خیال ہے۔ جس طرح چاہو سمجھو۔ آزادی کا حق سب کو حاصل ہے۔ کوئی کسی کی روک ٹوک نہیں کرتا۔ اور کرنا بھی نہیں چاہیئے۔ آخر مزاحمت بھی کیوں کی جائے۔ لیکن اگر ہماری سنو تو ہم تو یہی کہیں گے کہ آدمی آدمی میں بھید ہوتا ہے" سب نر ہو ئیں نہ ایک رس "

انسان میں کتنے آدمی ایسے نظر آئیں گے جو انسانیت کی اوصاف سے خالی ہیں۔ ان میں غلبات نفسانی اور جذبات حیوانی مُنہ زور ہیں۔ اور اگر کہیں تم کو حیوانی جذبات کا علم ہو اور ساتھ ہی آدمی کی حرکات و سکنات کا خاص طرح کے حیوانوں کے جذبات سے مقابلہ کرنے کی بھی لیاقت حاصل ہو تو تم آسانی سمجھ سکو گے کہ ان میں کن کن اور کیسے کیسے حیوانوں کی حالتیں موجود ہیں۔ ایک آدمی ہے جو سوا کھانے اور

اور سو رہنا اور کچھ نہیں جانتا۔ یہ بہت نیچے درجے کا انسان ہے۔ ایک دوسرا شخص ہے جو ذائقہ کے لذات میں پھنسا ہوا ہے اور کھانے پر جان دیتا ہے اس کا درجہ پہلے سے کچھ اونچا ہے۔ بعض بعض حیوان مثلاً کتے۔ شیر اور بھیڑیئے وغیرہ کا یہ خاص ہے کہ ان کو کھانے کی چیزوں میں بہت مزہ آتا ہے۔ اور ان کی چت کی ورتی کھاتے وقت اس قدر یکسو و متحد ہو جاتی ہے کہ اگر ان کو چھیڑ دو تو پھر وہ یکدم غیظ و غضب میں آجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کتے کو اگر کھاتے وقت اس کا پیارا مالک بھی چھیڑ دے تو وہ اس پر غرّا اٹھتا ہے اور کاٹنے دوڑتا ہے۔ جو لوگ اس کے اس وصف سے واقف ہوتے ہیں وہ کھاتے وقت بھول کر بھی کتے کو نہیں چھیڑتے۔ جس کسی آدمی میں یہ خاصہ دیکھو سمجھ لو کہ وہ حیوانیت کے اس طبقہ کا آدمی ہے۔ اسی طرح شبد۔ سپرش روپ۔ رس۔ گندھ کی شوق اور حرص کی زیادتی دیکھ کر پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ اس جنم سے پہلے کس درجہ کے جانوروں میں تھا۔ ہر شخص میں کسی نہ کسی قسم کے وصف زیادتی کے ساتھ ہوتے ہیں اور یہ پتہ دیدیتے ہیں کہ اگلے جنم میں اس کی پیدائش کیا تھی۔ بعض آدمیوں کے سونگھنے کا حواس بہت تیز ہوتا ہے۔ بعضوں کے دیکھنے کا۔ بعضوں کے سننے کا اور علےٰ ہذا القیاس ان سب باتوں پر غور کرنے سے زندگی کے بتدریج نشوونما پاکر ایک خاص حالت میں ظاہر ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ ان کے سوا شہوات اور غلبات نفسانی بھی پتہ دیدیتے ہیں۔ ہم اس مضمون پر زیادہ وضاحت کے ساتھ نہیں بحث کرنا چاہتے کیونکہ اس سے نفس مضمون کا تعلق نہیں ہے گو وہ دلچسپ اور سبق آموز ضرور ہے۔ اس وقت ہم صرف ان آدمیوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کو پرم پرش کبیر صاحب نے حیوان بصورت انسان قرار دیا ہے

یہ تحقیق مذہبی نقطہ نگاہ سے کی گئی ہے۔ اور ہم بھی اسی نقطہ نگاہ کو سامنے رکھ کر صرف مثالیہ قصّوں کی مدد سے ذہن نشین کرانے کی کوشش کرینگے کہ کون کون آدمی کس کس قسم کے جانور ہیں۔ عام طور کبیر صاحب نے دوہے کے پہلے مصرعہ میں چار طرح کے پشو بتائے ہیں۔ نر پشو۔ گور پشو نر یا پشو اور دیو پشو اور دوسرے مصرعہ میں بڑی وضاحت کے ساتھ انسانی اوصاف کو نہایت صاف لفظوں میں بیان کر دیا ہے جو سوچنے اور سمجھنے کے قابل بات ہے۔

سب سے پہلے نر پشو ہیں جو جدّت اور عقل سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ان میں تمیز اور حقیقت رسی کا مادّہ کالعدم ہوا کرتا ہے۔ کسی نے کہہ دیا کوّا کان لئے جاتا ہے۔ وہ اپنے کان کو نہ ٹٹولیں گے۔ کوّے کے ساتھ اُڑتے چلیں گے۔ چونکہ قصّوں کی مدد سے ایسے مضمون زیادہ سمجھ میں آتے ہیں۔ اس لئے یہاں پر سوائے قصّہ اور کہانیوں کے ہم دوسری بات کم کہیں گے۔ اور یہ خواہش کریں گے کہ پڑھنے والے خود نتیجہ پر پہنچیں۔ اور نر پشو کے اوصاف پر غور کریں۔ قصّے نئے نہیں ہیں پرانے ہیں۔ عام طور پر لوگوں کو معلوم ہیں۔ پھر بھی ان سے ایک قسم کی تفریح حاصل ہوگی اور سوچنے کا سامان ملے گا۔

قصّہ ۱۔ ایک آدمی کہیں پردیس نوکری کرنے گیا تھا اپنی جورو کے پاس روپیہ پیسہ نہیں بھیجتا تھا۔ جورو نے تنگ آکر اپنے گھر کے نائی کو بھیجا۔ اور کہلا دیا۔ میرے پتی سے کہنا کہ تمہاری جورو رانڈ ہوگئی۔ نائی نے لفظ بہ لفظ بیوی کا پیغام سُنا دیا۔ پتی کے کان کھڑے ہوئے بیچارہ روٹی کھا رہا تھا۔ رنج کے مارے چھوڑ دیا۔ اور لگا رونے۔ ہمسایہ کے

آکر پوچھتے ہیں۔ بھائی! خیر تو ہے۔ تو کیوں بلک بلک کر رو رہا ہے! اس نے نائی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ یہ شہر سے آیا ہے۔ کہتا ہے بیوی رانڈ ہو گئی۔ افسوس! میں کہیں کا نہ رہا۔ لوگ یا تو ہمدردی کی وجہ سے رنج میں تھے یا کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ واہ یار۔ واہ! تم تو ہٹے کٹے موجود ہو۔ تمہارے جیتے جی بیوی کیسے رانڈ ہو سکتی ہے۔ اس نے جواب دیا تم سچ کہتے ہو۔ مگر یہ شہر کا نائی بڑے اعتبار کا آدمی ہے۔ اس کی مانوں یا تمہاری مانوں۔ اس پر پھر فرمائشی قہقہہ ہوا۔ کہئے یہ آدمی تھا۔ یا حیوان تھا۔

قصہ ۴۔ ایک سادھو کا ایک چیلا تھا۔ سفر کرتے کرتے دونوں ایک شہر میں پہنچے۔ سادھو کو بھوک لگی تھی۔ چیلے سے کہا شہر سے کچھ کھانے کو لے آ۔ وہ دوڑا گیا اور دو پیسے کا سیر بھر کھاجا لے آیا۔ اور خوش ہو کر کہنے لگا۔ مہاراج! کیا اچھا شہر ہے۔ یہاں کے راجہ نے حکم دے رکھا ہے۔ ٹکا سیر بھاجی بکے اور ٹکا ہی سیر کھاجا بکے۔ اور ہر چیز ٹکے سیر ہے۔ گورو سمجھ دار تھا۔ بولا۔ ڈیرا ڈنڈا اٹھا۔ یہ رہنے کی جگہ نہیں چیلے نے کہا واہ! آپ کو جانا ہو جائیے۔ میں تو یہاں ہی رہوں گا۔ گورو تو اسی وقت چلا گیا چیلا وہاں ہی رہا۔ کسی نہ کسی آدمی سے دو ایک پیسہ مانگ لیتا۔ اور چین سے گزران کرتا۔ اور بے فکری کی وجہ سے خوب موٹا ہو گیا۔ اب اور سنئے کوئی چور کسی غریب کے گھر چوری کرنے گیا تھا۔ نقب لگاتے وقت [illegible] دیوار نیچے آ رہی [illegible] ب کر مر گیا۔ صبح کے وقت کوتوال مکان والے کو راجہ کے پاس زبردستی پکڑ کر لے گیا۔ راجہ نے کہا تیری دیوار کے گرنے کی وجہ سے میرے ایک رعیت کی جان گئی

تو مجرم ہے تجھ کو پھانسی ملنی چاہیئے۔ وہ راجہ کے انصاف کے حالات سُن چکا تھا۔ کہنے لگا اس میں میرا کیا قصور ہے۔ دیوار بنانے والوں نے کیوں کمزور بنائی۔ راجہ نے کہا بے شک تیرا کہنا سچ ہے۔ دیوار بنانے والوں کو بلاؤ۔ وہ پکڑے آئے۔ راجہ نے کہا تمہارے کمزور دیوار بنانے سے ایک آدمی ہلاک ہوا۔ اس لئے تم کو پھانسی ملے گی۔ وہ بولے جس گھڑے سے مٹی میں پانی ڈالا جاتا تھا۔ اس میں سوراخ تھے۔ کافی پانی مٹی میں نہیں ملا یا گیا۔ اس لئے دیوار کچی رہ گئی۔ قصور میرا نہیں کمہار کا ہے۔ جس نے کچا گھڑا بنایا تھا۔ راجہ نے کمہار کو طلب کیا اور ان کو چھوڑ دیا۔ کمہار نے کہا یہ لکڑی والوں کا قصور ہے۔ گھڑا پکانے کے لئے کچی لکڑی دی۔ اس لئے گھڑا کچا رہ گیا۔ وہ بھی آزاد کیا گیا پھر لکڑہارے کے سر پہ بلا آئی۔ وہ سیدھا سادہ آدمی تھا۔ بات بنانا نہیں جانتا تھا پھانسی دینے والے کے حوالے کیا گیا۔ اتفاق کی بات۔ پھانسی کا پھندا ذرا بڑا تھا۔ اس کی گردن اس میں نہیں آئی راجہ نے کہا۔ خون ہوا ہے۔ خون کا بدلہ ضرور لینا چاہیئے۔ اگر یہ نہیں تو کوئی دوسرا موٹا تازہ آدمی لے آؤ۔ سوچ سمجھ کر اسی کو پھانسی دیدو تلاش کی گئی۔ وہی سادھو کا چیلہ جو حلوہ مخواہ الفربہ مرد آدمی بنا ہوا تھا۔ پکڑا آیا۔ اس نے واویلا مچایا۔ گناہ کرے کوئی اور سزا پائے کوئی یہ کہاں کا انصاف ہے؟ مگر نقارخانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے اس کو پھانسی پر لٹکانے کے لئے لے چلے۔ قسمت کی بات اس کا گورو بھی ویچرتے ہوئے اُدھر آ نکلا۔ اس نے شور مچایا۔ مہاراج! مجھ کو بچاؤ میں بے قصور پھانسی پا رہا ہوں۔ گورو نے کہا کمبخت! میں نے تجھے پہلے

ہی سے کہا تھا۔ تونے میری بات نہیں مانی۔ یہ جگہ رہنے کے قابل نہیں تھی۔ خیر ادھر آ۔ اور سادھو نے اُس کے کان میں جھک کر کچھ کہہ دیا یا تو وہ ڈرتا تھا یا بیخوفی کیا تھا راجہ سے کہنے لگا۔ جلدی پھانسی دو۔ ساعت نکلی جا رہی ہے۔ اُدھر اُس کے گُرو نے کہا۔ اسکو نہ پھانسی دو مجھکو دو راجہ نے پوچھا بھلے لوگو! کیا بات ہے؟ جس کے لئے تم پھانسی پانے کے خواہشمند ہو۔ گورو نے کہا آج ایکادشی ہے۔ دس منٹ کے اندر اندر جس کو پھانسی ملے گی۔ وہ دوسرے جنم میں چکرورتی راجہ ہوگا۔ اس لئے مجھ ہی کو پھانسی دو۔ راجہ نے کہا۔ واہ۔ تم کیسے چکرورتی راجہ ہو گے؟ میں چکرورتی راجہ ہوں گا اور میں پھانسی پر لٹکوں گا اور اس نے زبردستی گلے میں پھندا لگا لیا۔ اور ہلاک ہوا۔ یہ چیلا اور راجہ دونو نرپشو تھے۔

قصہ ۳۔ ایک سیٹھ جگن ناتھ جی کو جا رہا تھا۔ اپنے کہار سے کہا۔ دروازہ دیکھنا اور صندوق کی حفاظت کرنا۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ گھر میں نہ کوئی گھسنے پائے۔ اور نہ کوئی صندوق چرا لیجائے مگر نوکر جو نرپشو تھا۔ کچھ کا کچھ سمجھ گیا۔ سیٹھ کے جاتے ہی دروازہ کو چُول پر سے اُتار لیا۔ اور صندوق کھول کر اس میں سے زربفت اور ریشم کے سارے کپڑے نکالے۔ اُن سے صندوق اور دروازہ کو لپیٹ کر بڑی حفاظت کے ساتھ رکھ چھوڑا۔ چند مہینوں کے بعد سیٹھ جی لوٹے۔ مکان کے کواڑ کھلے ہوئے پائے۔ اندر جا کر دیکھتے ہیں تو سارے ریشم کے قیمتی کپڑے صندوق اور کواڑ پر چڑھے ہوئے ہیں۔ پوچھا۔ کمبخت! تونے یہ کیا کیا؟ وہ بولا مجھکو کمبخت وکمبخت نہ کہئے گا

ہیں نے آپ کے حکم کی لفظ بہ لفظ تعمیل کی ہے۔ کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ صندوق اور کواڑوں کی حفاظت کرنا۔ سیٹھ نے اپنا سر پیٹ لیا۔

ستگرو کبیر کی ساکھی

مورکھ کے سمجھاونے گیان گانٹھ کا جائے
کوا ہوے نہ اُجلا چاہے سومن صابن لائے

یہ نرپشو ہیں۔ ایک قسم کے نرپشو اور ہوتے ہیں۔ جو دوسروں کے کہنے سے اوروں کا بھی نقصان کرتے ہیں۔ اور اپنا بھی نقصان کرتے ہیں دوسرے گوروپشو ہیں۔ جو گورو کی ذات کو نہیں سمجھتے۔ نہ ان کی تعلیم کی روح کو جذب کرتے ہیں۔ اور تنگدلی۔ تنگ خیالی۔ غلط فہمی اور ناحق شناسی کے شکار ہوتے ہیں۔ بار بار کہا گیا ہے کہ گورو ہاڑ۔ پانس اور چام کو نہیں کہتے۔ گورو اِشٹ کا نام ہے۔ گورو مکمل آدرش ہے۔ گورو ذات کامل اور ذات خالص ہے۔ گورو کا ظاہری سروپ ان کے انتری سروپ کا سادھک ہے۔ جو دراصل اپنی ذات خاص ہے۔ اور اپنے سے جُدا نہیں ہے۔

ست کبیر کی ساکھی

گورو کو مانش جانتے۔ تے نر کہئے اندھ
ہوئیں دُکھی سنسار میں۔ آگے جم کا پھند
گورو کو مانش جانتے۔ چرن امرت کو پان
تے نر نرکے جائینگے۔ جنم جنم ہوے سوان
گورو تمہارا کہاں ہے۔ چیلا کہاں رہا ہے

کیوں کر کے ملنا بھیا۔ کیوں بچھڑے آوے جائے
گورو ہمارا گگن میں چیلا ہے گھٹ مانہہ
سرت شبد میلا بھیا۔ کبھوں بچھڑت نا نہہ
جا کا گورو ہے آندھرا۔ چیلا کھرا نرندھ
اندھے کو اندھا ملا۔ پڑا کال کے پھند

اچھا۔ گورو پشوؤں کے اور بھی قصے سنیئے!

قصہ ۱۔ ایک گورو کا ایک چیلا تھا۔ گوروجی دوار کا جی جانے لگے چیلے سے کہا۔ بیٹے! اس پستک کو سنبھال کر حفاظت سے رکھنا اس کے رکھنے سے تمہارے بندھن کٹیں گے۔ بڑے کام کی چیز ہے۔ چیلے نے کہا۔ ست بچن مہاراج! میں ایسا ہی کروں گا۔ گورو تو ادھر گئے چیلا کسی دولتمند کے پاس جاکر ریشمی کپڑے مانگ لایا۔ جزدان بنا کر اس کے اندر کتاب کو سنبھال کر رکھا۔ رات کے وقت دیکھتا کیا ہے کہ چوہے کتاب کے اردگرد چکر لگا رہے ہیں۔ اس نے کہا بہت اچھا کل صبح تم سب کی خبر لوں گا۔ تاکہ گورو کے بچن کے پالنے میں کوئی وگھن نہ پڑے۔ صبح ہی اٹھ کر اس نے ہمسایہ سے ایک بلی لی۔ دودھ اس بلی کی غذا تھی۔ اب اس کو فکر ہوئی کہ کہیں بلی نہ مرجائے۔ اس لئے تیسرے دن اس نے ایک دودھ والی گائے خریدی۔ آدمی اکیلا تھا۔ کون گائے کو چرا وے۔ کون اس کے چارہ گھاس کا انتظام کرے۔ بہت گھبرایا آخر سوچ وچار کر نوکروں نے کہا سنا۔ اور ایک عورت کے ساتھ شادی کرلی۔ خانہ دار بن گیا۔ بہت سے لڑکے بالے ہوگئے۔ استری

پرش پستک کی خوب سنبھال کرتے تھے۔ گورو برسوں کے بعد واپس آیا دیکھتا کیا ہے کہ اُس کی کٹیا میں ایک استری ہے۔ اور دو چار لڑکے اِدھر اُدھر کھیل رہے ہیں۔ پوچھا۔ یہ بندھن تونے کیسے بنائے؟ حاضر جواب چیلے نے جواب دیا۔ مہاراج! یہ سب آپ کی پستک کی سنبھال کی بدولت ہے۔ گورو نے کہا۔ مورکھ۔ اگیانی! میرا یہ مطلب کہاں تھا؟ جو تو نے سمجھا۔ تو نے اپنی ان سمجھی سے اس نجات دینے والی کتاب کو اپنے بندھ کا کارن بنا لیا۔

قصہ ۲۔ ایک فقیر تھا اس نے چاہا کہ اپنے بہت سے معتقد بنائے اور گلی کوچوں میں یہ صدا دینے لگا۔ مجھ کو تین لوک سوجھتے ہیں۔ لوگ غٹ کے غٹ اس کے پاس آنے لگے۔ ایک آدھ آدمیوں نے کہا۔ مہاراج ہم کو بھی وہ تماشہ دکھائیے۔ اس نے جواب دیا۔ کیا مضایقہ؟ باہری آنکھیں بند کرو۔ تب اندر کی آنکھیں کھلیں گی۔ ان میں سے دو ایک آدمیوں نے اصلی مطلب نہ سمجھ کر اپنی آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔ اندھے ہو گئے اور آخر میں ندامت اُٹھائی۔ مطلب کچھ اور ہے لوگ کچھ سمجھتے ہیں۔ فقیر کی مراد تو یہ تھی کہ دنیا کی طرف سے لاپرواہ ہو کر پرمارتھ کی کمائی کرنے سے روشن ضمیری حاصل ہوتی ہے۔ سنساری دنیا کی طرف سے جاگتے ہیں اور پرمارتھ کی طرف سے سوتے ہیں۔ اگر وہ اس طرف سے سوئیں اور اس طرف سے جاگیں۔ تو اصلیت کی خبر پڑے۔

قصہ ۳۔ ایک گورو کے دو چیلے تھے۔ دونوں نے خدمت کیواسطے ایک ایک پاؤں اپنے اپنے متعلق کرلے دونوں میں ایر شا دویش پیدا ہوئی نہ وہ اس کے پاؤں کو ہاتھ لگاتا۔ نہ وہ اس کے۔ اتفاق کی بات کسی قسم

کی غلطی کی وجہ سے ایک چیلے کے پاؤں دبانے سے گورو کے دوسرے پاؤں میں کچھ ضرب آگئی۔ دوسرا چیلا بگڑ کھڑا ہوا۔ اس لئے کہا بہت اچھا میں تیرے پاؤں سے وہ بدلہ لوں گا کہ تجھے بھی یاد رہے گا۔ اس بیوقوف نے کیا کیا۔ کہ لٹھ تان کر گورو مہاراج کے اُس پاؤں کو جو دوسرے چیلے کے متعلق تھا ایسی زور سے ضرب ماری کہ ٹانگ بھی ٹوٹ گئی۔ اور گورو بھی ہلاک ہو گئے۔

اس قسم کے لوگ گورو پشو کہلاتے ہیں۔

تیسرے پشو تریا پشو ہیں۔ جو عورت کی اصلیت۔ عورت کی بزرگی اور استری جاتی کی مہما کو نہ سمجھ کر اپنا بھی نقصان کرتے ہیں۔ اس کا بھی اکاج کرتے ہیں۔ اور اس کے سلسلے میں اپنی اولاد کو نکمی بنا دیتے ہیں۔ استری کا سنجوگ دراصل ایک قسم کی تادیب۔ من کی تربیت اور اخلاق کی درستگی کے لئے ہے۔ تاکہ آدمی آوارہ گرد نہ ہو کر دنیا کا بھی رہے۔ اور ساتھ ساتھ آسانی کے ساتھ پرمارتھ کی بھی کمائی کرتا جائے۔ پارس کے ایک فلاسفر نے عورت کو "سپر گن ہاں" بتایا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ گرہست میں رہتا ہوا آدمی پرمارتھ کی کمائی دیر کیساتھ کرتا ہے۔ مگر یہ کمائی آہستہ آہستہ آرام کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور آشرموں میں اتنا سکھ نہیں ہے۔ جتنا گرہست آشرم میں ہے "ہر کہ زن ندارد آسائش تن ندارد"۔ مگر ساتھ ہی اس کی ذمہ داریاں اس کے فرائض اور آئے دن کے جھگڑے بکھیڑے بھی لگے رہتے ہیں۔ کیونکہ قدرت میں ہر چیز برابر کھینچی تلی ہوئی دی گئی ہے۔ جس میں جتنا فائدہ ہے اس میں نقصان بھی اتنا ہی ہے۔ ہاتھی اور چیونٹی کی ایک سی حیثیت ہے۔ گدا اور فقیر کی ایک سی حالت ہے۔

دنیا میں سب ایک قسم کے نہیں ہوتے۔ اس لئے سب کے لئے ویراگی اور تیاگی بننا منظور نہیں ہے۔ جس کا جیسا جی چاہئے۔ ویسا کام کرے مثال کے طور پر سمجھو۔ ایک شخص کے پاس بہت پونجی ہے۔ وہ اکیلے اپنا کاروبار کرتا ہے۔ دوسرے شخص کے پاس تھوڑی دولت ہے۔ وہ شریک تلاش کرتا ہے۔ استری اور پرش پرمارتھ کی تجارت میں مساوی حصہ دار ہیں۔ دونوں کو مل کر رہنا۔ مل کر کام کرنا۔ مل کر روحانی آمدنی کے ذرائع پیدا کرنا چاہئے۔ یہ کس نے کہا ہے؟ کہ لذاتِ نفسانی اور حظوظ نفس کے دلدادہ بن کر تم اپنی اصلی پونجی کو برباد کرو۔ اگر استری اور پرش ایسا نہیں کرتے تو وہ دونوں ہی پشو ہیں۔ بلکہ پشوؤں سے بھی ان کا درجہ نیچا ہے۔ گھر میں رہ کر گرہستی برہمچاری ہو سکتا ہے۔ اور ویسے ہی ویرج کی رکھشا کر سکتا ہے۔ جیسے تیاگی کرتا ہے۔ بلکہ گرہستی کو تو اور بھی ویریہ رکھشا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس ویریہ رکھشا سے تین قسم کی طاقتیں پیدا ہوتی ہیں "اوج" "بل" اور "سہ"۔ اوج اندری کا دھرم ہے۔ اور چستی اور چالاکی اس کا خاصہ ہے۔ بل شریر کا دھرم ہے۔ سہہ کو سہن شکتی بولتے ہیں۔ اوج شیر وغیرہ جانوروں میں ہوتا ہے۔ بل ہاتھی وغیرہ میں ہے۔ سہہ زیادہ تر انسان کے انتہ کرن سے متعلق ہے۔ یہ تینوں باتیں انسان کے لئے دنیا میں ضروری اور لازمی ہیں۔ جو شخص ویریہ رکھشا نہیں کرتے۔ ان میں نہ اوج ہوتا ہے نہ بل ہوتا ہے۔ نہ سہہ ہوتا ہے۔ وہ چڑچڑے۔ تند مزاج کٹر۔ تنگ خیال اور متعصب ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہی طاقتیں جو ویرج سے پیدا ہوتی ہیں۔ اوپر دماغ کی طرف اپنا رخ بناتے ہوئے

وہاں اوجس کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں۔ تیج بڑھتا ہے۔ بدھی بڑھتی ہے۔ چہرے میں نور آتا ہے۔ من میں شانتی آتی ہے۔ جن میں یہ نہیں ہیں۔ ان کی آٹھ دھاتویں ایسی بگڑ جاتی ہیں کہ وہ دائم المریض بن کر کتوں کی طرح جیتے ہیں۔ اور کتوں ہی کی طرح مرتے ہیں۔

استری کی اس حیثیت کو نہ سمجھ کر جو اس کو کام کا۔ شہوت کا اور حظِ نفس کا آلہ سمجھتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس کا محکوم۔ اس کا ماتحت اور اس کا چالو بن جاتا ہے۔ پھر وہی استری اس کے لئے کالی ناگنی ہو جاتی ہے! وہ ڈس کر ہلاک کرتی ہے۔

کبیر صاحب کی ساکھی

ہاتھوں مہندی لائے کر۔ گاڑھے باندھے کیس
نینوں کاجل دیئے کر۔ باگھن کھایا دیس
چھوٹی موٹی کامنی سب ہی (استری) بِش کی بیل
بیری مارے داؤں سے۔ یہ مارے ہنس کھیل

قصہ ا۔ دشرتھ عیش پسند طبیعت والا تھا۔ استری کے جال میں پھنس کر رام کو بن باس دیا۔ اور آپ بُری طرح سے مرا!

نر یا پشو کے زیادہ قصے سنانا منظور نہیں۔ کیونکہ ہر شخص اس زمانے میں کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کہ بے اصول آدمی کس طرح عورتوں کے جال میں پھنس کر کہیں کے نہیں رہتے۔ ان کی حالت دیکھنے

اور غور کرنے کے قابل ہے۔ باہر جلسوں میں جا کر دندناتے ہوئے بیہودہ عقائد اور فضول رسم و رواج پر دھواں دھار تقریریں کر آتے ہیں۔ مکان کے اندر جب استری کے لئے ڈنڈے برستے ہیں تو نہ صرف وہ وہی ہمت ہی کام کرتے ہیں جو استری بتاتی ہے۔ بلکہ اس کے خوش کرنے کے خیال سے بیمار بچوں کو گود میں لئے ہوئے بھنگی اور چماروں کے ہاں پھونک ڈلوانے جاتے ہیں۔ اس پر کیوں زیادہ کہیں۔ یہ بہتوں پر روز روز بیتتی ہے۔ اپنے اردگرد نظر کرو۔ اور بہت سے تریاپشو تم کو دوب کا گھاس کھاتے اور جگالی کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

چوتھے دید پشو۔ پشوؤں میں ان کا نمبر سب سے بڑھا چڑھا ہے پڑھے ہوں چاہے ان پڑھ۔ سمجھ والے ہوں چاہے ان سمجھ۔ رات دن وید وید کیا کرتے ہیں۔ نہ ویدوں کی سمجھ ہے نہ اس کا کبھی درشن ہی کیا وید ایشوری گیان ہیں۔ وید تر لوکی کی پستک ہیں۔ اس سے کسی کو انکار نہیں۔ مگر سوال تو یہ ہے۔ آیا ویدوں کے اصلی مطالب اور اصلی مراد سے بھی کچھ خبر ہے یا یوں ہی ناحق وید وید کی صدا چاروں طرف بلند ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم ویدوں کا کھنڈن کرتے ہیں۔ نہیں کبھی نہیں۔ نہ کبیر صاحب نے ہی اس کا اس نظر سے کھنڈن کیا ہے۔

ست کبیر کی ساکھی

کبیر وید ہمارا بھید ہے۔ ہم ویدوں کے ماہنہ
وید بھید ہیں میں بسوں۔ ویدی جانت ناہنہ

اس سلسلے میں بہت سے قصے کہے جا سکتے ہیں مگر خوف ہے کہ کہیں کسی کا دل نہ دکھے کسی کی دلآزاری ہو اس لئے یہیں اس مضمون کا خاتمہ کرتے ہیں۔ پڑھنے والے خود سوچ سمجھ کر نتیجہ نکال لیں۔

یہ تو ہوئے چار قسم کے پشو۔ دوسری کڑی میں کبیر صاحب فرماتے ہیں۔

مانش سوئی جانیئے ۔ جاہی بویک وچار

انسان کا اعلےٰ وصف یہ ہے۔ انسان کو سمجھ بوجھ والا بننا چاہئے وچار کرنا اس کا خاصّہ ہے۔ منن شکتی کا ہونا اس کا لازمی وصف ہے ہر بات کو سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے۔ اور سوچ سمجھ ہی کر نتیجہ پر پہونچنے کی کوشش میں رہنا چاہیئے۔

توحید کے مسائل کے متعلق بہت سی باتیں کہی گئی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ برہم ایک ہے۔ اور وہ سرو ویاپک ہے۔ اب جب ایک شے سرو ویاپک ہوئی تو اس کی موجودگی میں دوسری ہستی کا امکان کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر تو دو ہو جائیں گی۔ اور دونوں سرو ویاپک نہیں ٹھہر سکیں گی۔ یہ ایک بنی بنائی بات ہے۔ جب دو ہوں گی تو دونوں ہی محدود اور دونوں ہی ناقص ہوں گی۔

چیست توحیدِ خدا آموختن
خویشتن را پیش واحد سوختن

تعلّق اور بے تعلّقی کی مثالیں

گورو نانک صاحب کا قول

جیسے جل میں کنول نِرالم مُرغابی نِشانئے
سُرت شبد بھو ساگر تریئے نانک نام بکھانئے

کہا گیا ہے دنیا میں رہو۔ دنیا کے ہو کر نہ رہو کام کرو سب کچھ کرو پھل کی اچھیا نہ رکھو۔ اختیار والے بنے رہو۔ مگر اس کا ناجائز استعمال نہ کرو۔ اور دل میں خیال تک نہ آنے پائے کہ ہم کو حکومت و اختیار حاصل ہے جیو۔ زندگی کے دن بسر کرو۔ مگر شبنم کی طرح اوپر سے آؤ اور دیکھتے دیکھتے دیکھتے اوپر ہی کی طرف چلے جاؤ۔ کنول پانی میں رہتا ہے۔ پانی اس کی پنکھڑیوں کو تر نہیں کر سکتا۔ اگر پتے پر پانی کی بوند پڑ جائے تو وہ الگ تھلک نظر آتی ہے۔ اور آبدار موتی کی طرح پنکھڑی کی خوبصورتی کو بڑھا دیتی ہے۔

بگیر رسم تعلّق وِلا زِ مُرغابی
درروئے آب چو برخاست خشک پر برخاست

مرغابی نے پانی میں غوطہ مارا۔ لمحوں اس کے اندر غرقاب رہی۔ پھر وہ
اسطح آب پر تیر رہی ہے۔ مگر پر خشک کے خشک۔ نمی کا نام نہیں۔ پانی
الگ۔ پر الگ۔ اس نے اُس کے خواص کو جذب نہیں کیا۔ جیسی پہلے
تھی اب بھی ویسی ہی ہے۔ تم بھی اسی طرح دنیا کے سمندر میں غوطہ مارو
اُس کا اثر تم پر حاوی نہ ہونے پاوے۔ روح الگ۔ جسم الگ۔
سب کچھ ساز و سامان موجود ہیں۔ خوب برتتے ہیں مگر۔

نہ ہونے کی شادی نہ جانے کا غم
رہو ایسی صورت میں یار دمبدم

جو لوگ اس طرح گزران کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ رنج و الم سے دور
رہتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے اپنے روپ کو نہیں چھوڑتے۔ رنج اُن کو
ہوتا ہے جو دنیا کے سامان کو اپنے پھنسانے کی زنجیر بنا لیتے ہیں
ورنہ کون کس کو پھنساتا ہے۔ دنیا جڑ ہے۔ مُردہ ہے۔ جڑ اور مُردہ
چیز نے کب کسی کو اپنے ساتھ باندھا۔ ہاں اگر خود تم اس کے ساتھ بندھ
رہو تو دوسری بات ہے۔ اس میں اس کا قصور ہے یا تمہارا قصور
ہے۔ کرسی اور فرش پر بیٹھتے ہو۔ بیٹھ کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہو۔ دیکھو
بندھے تو نہیں ہو؟ بندھو گے اُس وقت جب اس کو اپنا۔ اور اپنا
روپ سمجھنے لگو گے۔ یہی متھیا اور بھرم ہے۔ اور اسی کو اگیان کہتے ہیں
گیان کے سینگ پوچھ نہیں ہوتی۔ تم خود غلطی سے اس کو اپنے اندر
سے پیدا کرتے ہو۔ اور آپ اس کے شکار ہو جاتے ہو۔ تم کو کسی اور
کے ہتھیار نے نہیں مارا۔ تم اپنے ہی ہتھیاروں سے مارے گئے۔

زندگی بسر کرنے کے راز کے متعلق ایک سنت مت کی معتقد دیوی

یوں فرماتی ہے۔

سہجو جگ میں یوں رہے جیوں جیبھا (زبان) مکھ ماہنہ
گھیو (گھی) گھنا (بہت) بھکشن (کھانا) کرے تو بھی چکنی نا ہنہ

وہاں چکنی چپڑی چیزیں کھایا کرتی ہے۔ مگر کیا ان کو کھا کر کبھی چکنی ہوتی ہے۔ اگر ہوتی ہے تو ہم کو بھی بتادو۔ ہم بھی سن لیں۔

سہجو سنڈسی لوہ کی چھن پانی چھن آگ
ایسے دکھ سکھ جگت کے سہجو تو تج بھاگ

لوہے کی سنڈسی کبھی آگ میں اور کبھی پانی میں رہتی ہے۔ نہ پانی کی نمی نہ آگ کی گرمی کو قبول کرتی ہے۔ اسی طرح سے دنیا کے دکھ سکھ سے آزاد رہنے کی کوشش کرو۔ دنیا یا تو بھوگنے کی چیز ہے یا چھوڑنے کی ضرورت کے موافق اس کو بھوگو اور چلتے بنو۔ کیونکہ

چلنا ہے رہنا نہیں چلنا بسوا بیس
سہجو تنک (تھوڑا) سہاگ پر کہا (کیوں) گوندھاوے سیس

تمہارے گھروں میں مہمان آتے ہیں۔ تم ان کی خوب میزبانی کرتے ہو۔ اچھے سے اچھا کھانا کھلاتے ہو۔ لذیذ سے لذیذ شربت پلاتے ہو۔ اچھی جگہ سونے کو دیتے ہو۔ جو کچھ بن پڑتا ہے ان کی خاطرداری کی رسم بجا لاتے ہو۔ مگر مہمان بندھن میں تو نہیں آتا۔ سب کچھ بھوگتا ہے اور چلتے وقت اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ نہ دکھ نہ سکھ۔ نہ فکر نہ تردد۔ وہ اپنی حیثیت اور تمہاری حیثیت کو جانتا ہے۔ اس کو سمجھ ہے کہ تمہارا گھر اس کا گھر نہیں ہے۔ وہ کیوں اس کے چھوڑنے سے گھبرائے تم بھی تو دنیا میں مہمان آئے ہوئے ہو۔ مہمانی ہمیشہ عارضی ہی ہوا کرتی

کیوں نہیں اپنا روپ پہچاننے اور اپنے جاننے کی کوشش کرتے۔ مہمان پرائے گھر کے دُکھ کو دُکھ نہیں سمجھتا۔ کیونکہ وہ اپنے کو اُس سے بالکل مختلف سمجھتا ہے۔ مگر یہاں تو ایسے کوڑھ مغز موجود ہیں جو دنیا تو دنیا ہی ہے قبر تک میں اپنے ساتھ مصیبت لے جاتے ہیں۔ اور قبر کو دُکھوں کا باعث خیال کرتے ہیں۔

نہ دے اس قدر قبر تکلیف ہم کو
تیرے گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں

بندھن دنیا میں نہیں ہے۔ انسان کے اپنے دل میں ہے۔ اور یہ بندھن دنیا کے موٹے رسّے اور رسّیوں کا نہیں ہے۔ خیال کے کمزور دھاگوں کا ہے۔

ایک راجا اپنے فقیرانہ آزاد گورو سے اکثر کہا کرتا تھا کیا کروں دُنیا مجھ سے چمٹی ہوئی ہے۔ جکڑ کر باندھ رکھا ہے۔ فقیر روز روز سنتے سنتے اُکتا گیا۔ ایک دن راجہ شکار کو جاتا تھا۔ گورو جی ایک درخت کے تنے کو ہاتھوں سے پکڑے ہوئے کھڑے تھے۔ راجہ نے کہا۔ آیئے۔ جنگل میں تفریح کے لئے چلیئے۔ سادھو بولا۔ کیا کروں۔ درخت نے دور سے مجھ کو پکڑ رکھا ہے۔ راجہ نے کہا ہیں۔ واہ مہاراج واہ! درخت جڑ وستو ہے۔ آپ چیتن ہیں۔۔ درخت کیسے آپ کو باندھ سکتا ہے؟ سادھو نے جواب دیا اُس وقت تیرا یہ گیان کہاں چلا جاتا ہے۔ جب تو مجھ سے شکایت کرتا ہے کہ دنیا چمٹی ہوئی ہے۔ کیا دنیا جڑ اور تو چیتن نہیں ہے۔ دُنیا کیسے تجھ سے چمٹتی ہے۔ راجہ خاموش ہو گیا۔ اور اس کو کچھ سمجھ بوجھ آگئی۔ لڑکے۔ بالے۔ استری۔ کنبہ۔ کوئی کسی کو نہیں باندھ سکتا۔ اگر

اُن میں باندھنے کی طاقت ہوتی تو کوئی رشتہ دار کب اپنے عزیز کو مرنے دیتا۔ مگر جانے والا چلا ہی جاتا ہے۔ اور سب دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ کسی کا کچھ بس نہیں چلتا۔

آس پاس جو دھا کھڑے سبھی بجا دیں گال
بیچ محل سے لے چلا ایسا کال کرال

بندھن یوں بھی کمزور ہے مضبوط نہیں ہے۔ لوگ آپ اپنے خیال سے بندھتے ہیں۔ دوسرا کوئی اُن کو نہ باندھ سکتا ہے۔ نہ وہ کسی سے بندھ سکتے ہیں۔

دنیا میں رہو۔ دنیا کے ہو کر نہ رہو۔ سب کچھ کرو۔ اور سب کچھ کرتے ہوئے بھی اکرنک بنے رہو۔ اس کا سمجھنا کٹھن نہیں ہے۔ آسان ہے۔ برتنا بھی اتنا مشکل نہیں ہے۔ مگر برسوں کے غلط خیالات۔ اور زندگیوں کے ناقص اثرات نے دل کو اپنا گھر بنا لیا ہے۔ اگر گیان نہیں ہے نہ سہی۔ اگیانی کی طرح ہی رہو۔ تب بھی دُکھ کلیش نہ ہوگا۔ نہ بندھ کی پرتیت آوے گی۔

سب سے بھلے ہیں مونڈھ جنہیں نہ بیاپی جگت گت

چرند پرند کیسے پھدکتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ چڑیا انڈ دیتی ہے۔ اس کو سیتی ہے۔ بچہ پیدا کرتی ہے۔ دو چار دس روز تک بچہ کی سنبھال کرتی ہے۔ پھر بچہ الگ۔ ماں باپ الگ۔ کسی کو کسی سے تعلق نہیں کوئی کسی کے ساتھ رشتہ تک قائم نہیں رکھتا۔

نہ جینے کی شادی نہ مرنے کا غم
رہو ایسی صورت میں تم دمبدم

ہم یہ نہیں کہتے کہ تم رشتہ داریاں چھوڑ دو۔ خویش واقارب سے منہ موڑ لو۔ بات صرف اتنی ہے۔ اُن سے جھوٹا پریم نہ کرو۔ اور دل سے اپنے کو نہ باندھو۔

نہ بائد بستن اندر چیز دکس دل
کہ دل برداشتن کار یست مشکل

کسی رئیس کی عورت کو دودھ نہیں اُترتا تھا۔ شوہر نے ایک دایہ (دایہ) رکھی۔ وہ بچہ کو دودھ پلاتی۔ کھلاتی۔ کھیلاتی۔ بچہ اس سے ہل گیا۔ ماں کے پاس مشکل سے جاتا تھا۔ ماں کو حسد پیدا ہوا۔ دایہ سے کہنے لگی۔ تو نے میرے بچے کو اپنا بنا لیا۔ چل دور ہو یہاں سے اپنا ڈیرا ڈنڈا سنبھال۔ دایہ نے کہا لو بیوی اپنا راج پاٹ سنبھال لو۔ اتنا کیوں روٹھتی ہو۔ بچہ اگر تمہارے پاس نہیں جاتا تو میں کیا کروں میں نے کوئی جادو منتر تو نہیں کر دیا۔ میں اس کو پیار کرتی تھی اسکو بیشک تم قصور سمجھ لو۔ دایہ بیفکری سے چلی گئی۔ اس کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا۔ رشتہ کو ایسا گھٹ سے توڑ دیا کہ دیر بھی نہیں لگی اگر تم میں گیان نہیں ہے نہ سہی۔ اگیانیوں کی بھی سمجھ بوجھ نہیں ہے نہ سہی۔ مالک کے بھگت تو ہو۔ یہی سمجھ لو کہ یہ سب بال بچے اُسی کے ہیں ان کو کھلاؤ۔ پلاؤ۔ پڑھاؤ لکھاؤ۔ سب کچھ کرو۔ صرف اپنا نہ سمجھو۔ بندھن کٹا ہوا ہے۔ بندھن میرا تیرا اپنا ہے۔ اور کچھ نہیں۔

مور تور کی جیوری بٹ باندھا سنسار
داس کبیرا کیوں بندھے جاکے نام آدھار

دنیا میں رہو۔ دنیا کے ہو کر نہ رہو۔ تعلق میں بے تعلقی اور بے تعلقی

میں تعلق کا تماشہ دنیا کو دکھا جاؤ۔ آؤ ایک بہت اچھی مطلب خیز مثال تم کو سُناتے ہیں سننے کو تو شائد تم نے پہلے بھی سن لیا ہو گا۔ مگر اس خاص ڈھنگ میں اُس کے گھٹانے کا موقع ہاتھ نہ آیا ہو گا۔ دیکھو تعلق میں بے تعلقی اور بے تعلقی میں تعلق کی کیسی اچھی مثال ہے کہ بس رے بس۔

ویر وکرما دیتہ کا دیس نکالا ہوا۔ بڑے بھائی راجہ بھرتری نے کسی فرضی قصور کے الزام میں جلاوطن کر دیا۔ شہزادہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور بےفکری کے ساتھ کسی سمت کو راہی ہو گیا۔ جب گھر سے بہت دور نکل آیا کسی گاؤں میں ایک بنئے کے تین لڑکے سر نہوڑائے بیٹھے ہوئے تھے۔ چُپ۔ نہ کوئی کسی سے بولتا تھا۔ نہ بات چیت کرتا تھا۔ دم بخود۔ وکرم نے سمجھا۔ یہ دُکھی ہیں۔ پوچھا بھائی! تم کو کیا تکلیف ہے اُنھوں نے سمجھا یہ راجہ کا کوئی سوار ہے۔ بولے۔ بھائی! جا۔ اپنی راہ لے۔ ہمارا جھگڑا تیرے نپٹائے نہ نپٹے گا۔ شاہزادہ نے کہا۔ بھلا! میں سنوں تو سہی۔ سن لینے میں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ وہ بولے۔ میاں سپاہی! ہمارا باپ ساہوکار تھا۔ مر گیا۔ بہت کچھ دولت چھوڑ مرا تھا۔ وہ تو ہم نے برابر برابر بانٹ لی۔ اس کے سوا وہ سترہ گھوڑے بھی چھوڑ گیا ہے۔ جس کی نسبت وہ خاص وصیت کر گیا ہے۔ اس کا حکم ڑا بھائی آدھا حصہ۔ منجھلا ایک تہائی اور چھوٹا نواں حصہ لے۔ گوڑے سترہ ہیں۔ کیسے بانٹے جائیں۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ گھوڑوں کو نسی ٹکڑے کر کے حصہ بخرا تقسیم ہو۔ یہ فکر ہے۔ وکرم نے کہا۔ یہ راج میں میں! بات ہے۔ میں وکرم راجہ بھرتری ہری کا بھائی ہوں۔ نصاف کیا کرتا تھا۔ تمہارا بھی جھگڑا ابھی فیصل کئے

تعلق اور بے تعلقی کی مثالیں

دیتا ہوں۔ لو۔ ان سترہ میں میرا گھوڑا بھی شامل کر لو۔ لو بڑا لے لے۔ چھ منجھلا اور دو چھوٹا لے لے۔ میرا گھوڑا پاس کا پاس۔ تم کو اپنے اپنے حصہ سے زیادہ مل گیا۔ اور میرا گھوڑا الگ کا الگ رہا۔ وہ خوش ہو گئے اور وِکرم اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اور طرف چل دیا۔

دیکھو وکرم کا گھوڑا ساہوکاروں کے گھوڑوں کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اور ملا دئے جانے پر الگ کا الگ رہا۔ اسی طرح تم بھی مِلے جُلے اور الگ تھلگ رہنے کا سبق سیکھو۔ نہ کسی میں اپنے روپ سے شامل اور نہ کسی سے علیحدہ۔

اسی طرح ویراٹ پُرش بھی ساری جگت میں ویاپک ہے اور پھر سب سے علیحدہ ہے۔ ویراٹ پُرش ہی دراصل ایشور ہے۔ جیو بیشٹی کہلاتے ہیں۔ ایشور سمشٹی کہلاتا ہے۔ بیشٹی نام ہے فردیت کا۔ اور سمشٹی مجموعی اور کُلی میدان کا۔ ایشور کیا ہے؟ تمام جیو۔ جنتو۔ جڑ۔ چیتن کی مجموعی حالت کا نام ایشور ہے ہزار سر والا۔ ہزار نیتر والا۔ ہزار ہاتھ والا تمہاری رگ رگ میں اس کی سَتا ہے۔ وہ سب میں ویاپک ہو رہا ہے مگر کیا تم ایشور ہو؟ کبھی نہیں۔ ایشور میں اور تم میں فرق ہے۔ جیو کبھی کسی حالت میں نہ شیو ہے نہ شیو کہلانے کا مستحق ہے۔ غلطی میں پڑنا ویدانت یہ کبھی نہیں کہتا کہ جیو ایشور ہے۔ وہ کچھ اور سمجھانے کا جتن کرتا ہے۔ جیو اور ایشور سے پرے برہم ہے۔ یہاں آ کر البتہ وہ کہتا ہے کہ تم اصل میں برہم ہو۔ مگر پہلے برہم کی حیثیت سمجھنے کی کوشش کرو۔ تب بحث کے میدان میں آؤ۔ کیونکہ برہم نہ جیو ہے۔ اِس مضمون ہے۔ اس برہم کے آگے سنتوں نے اور بھی کچھ کہا۔

کا نفس مطلب نہیں ہے۔ اس لئے یہاں اس کا ذکر کرنا فضول ہے۔ یہاں تم کو صرف اس قدر ذہن نشین کرانے کی ضرورت ہے کہ چونکہ تم اس جگت میں ویراٹ پُرش کے پُتر ہو اپنی وراثت کو سمجھو۔ اور اس کی طرح بے تعلقی میں تعلق اور تعلق میں بے تعلقی کے ساتھ رہو۔ اگر اتنا سمجھ لیا۔ تو ہمارے لکھنے کا کوئی نتیجہ ہوا۔ اگر نہیں سمجھا تو بار بار سمجھو۔ تم خوش ہوگے اور کمل کی طرح دنیا میں رہ سکوگے اور دنیا کا تماشہ دیکھ کر چلتے وقت سب کو خوشی سے سنا کر کہہ جاؤگے۔

آئے تھے یاں مثل شبنم سیر گلشن کر چلے
دیکھ لے اپنا چمن اے باغباں ہم گھر چلے

بندھن خواہش میں ہے۔ خواہشوں کا سلسلہ طول طویل ہوتا ہے۔ انسان ایک بات کی خواہش کرتا ہے۔ اس کے ساتھ اور اور خواہشیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور وہ پھر اپنے دور تسلسل میں جیوں کو پریشان کرتی ہیں۔ خواہش کا بڑھانا گھٹانا اپنے اختیار میں ہے۔ اس کو جتنا بڑھاؤ بڑھ جاتی ہے۔ جتنا گھٹاؤ گھٹ جاتی ہے۔ مگر انسان اس بات کو سمجھتا بوجھتا ہوا بھی اس کا شکار ہوا کرتا ہے جس بات کو ہم اچھی طرح سمجھتے جائیں اور جس سے واقف ہوں اور پھر بھی اسی کے غلام بنے رہے ہیں تو پھر ہم کو کیا کہنا چاہیئے۔ اس کے لئے افسوس ہم کو کوئی لفظ لغت میں بھی تلاش کرنے سے نہیں ملتا کہ ایسے آدمی کو کیا کہیں اور کس نام سے نامزد کریں۔ اے انسان سمجھ بوجھ سے کام لے کر اتنی ہی خواہشیں دل میں پیدا کر جتنی ضروری اور بہت ضروری ہیں۔ اس میں تیرا کلیان ہوگا۔

سادِھن اور اُوچیہ اوستھا کی پراپتی کا جتن

ست کبیر کی ساکھی

کتھنی بدنی چھانڈ کر۔ کرنی سے چت لائے
نر کو نیر پلائے بن۔ کبھوں پیاس نہ جائے

کہنا آسان ہے۔ کرنا مشکل ہے۔ لوگ باتیں بہت بنایا کرتے ہیں باتوں کے سلسلے میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ لیکن جب کرنے کا سوال آتا ہے تب ہچکچاتے ہیں۔ پس و پیش کرتے ہیں اُلٹی اور سیدھی سُنانے لگتے ہیں۔ مذہبی معاملات میں بات بنانیوالے بہت ملیں گے۔ مگر کام کرنے والا ہزاروں میں مشکل سے ایک نظر آئیگا۔ مذہب دراصل بحث بازی۔ لکچر بازی اور تقریر بازی کا مضمون نہیں ہے۔ یہ دراصل عمل اور شغل اور دساکت لکا رہنے کا کام ہے۔ جو لوگ تقریر کرنا جانتے ہیں۔ وہ مذہب کی روح سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ دوسروں کے دماغ کے فُضلہ چاٹنے۔ خیالی پس خوردہ کھانے اور سُنی سنائی باتیں سُنانے کے عادی ہیں۔ مانگ تانگ کے عاریت کپڑے پہن لیئے۔ ایک وقت کے لوگوں نے دیکھ لیا کہ خوش پوش ہے۔ دوسرے وقت ننگے کے ننگے۔ بُوچے کے بُوچے۔ اپنے پاس

کچھ نہیں۔ اپنا کچھ نہیں۔ تقریر کے وقت تمام دنیا کے پرمان اور سند زبان پر رہتے ہیں۔ مگر جب اکیلے ہوتے ہیں۔ خالی کے خالی۔ اب وہ شانتی کہاں گئی؟ جس پر لیکچر سنائے گئے تھے۔ اپنی ہوتی تو اپنے پاس رہتی۔ دوسروں کی تھی چھین لی گئی۔

یہ جگت کرم کا بھنڈار ہے۔ اس میں کرم کی لہریں اٹھتی رہتی ہیں۔ لہروں کے آپس میں ٹکرانے سے جھاگ پیدا ہوتی ہے جس وقت جھاگ بن گئی۔ رفتہ رفتہ وہی زمین ہو جاتی ہے۔ پھر حرارت اور رطوبت کی شرکت اور جدوجہد سے نانا پرکار کے جیو۔ جنتو۔ پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پانی کے بلبلوں کو دیکھو۔ پانی کے کیڑوں کو دیکھو۔ کس طرح کلبلاہٹ کے ساتھ کشمکش کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں جس قدر نظارے دنیا میں نظر آ رہے ہیں۔ سب کرم اور کرموں کے سلسلے کے نتیجے ہیں۔ ایشوری کرم اور ہے۔ سرشٹی کرم اور ہے۔ جیوؤں کا کرم اور ہے۔ مگر ہیں تو آخر سب کرم کونسی جگہ ایسی ہے جہاں کرم نہیں ہے۔ اٹھنا۔ بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ سوچنا وچارنا سب کرم ہی ہے۔ کوئی حالت ایسی نظر نہیں آتی جو کرم سے خالی ہو۔ پھر کرم کی سرشٹی میں رہ کر کوئی بیکار رہنے۔ سست رہنے۔ اور کاہل الوجود رہنے کا کیسے حوصلہ کرتا ہے؟

یوں تو کرم خود بخود ہوتے رہتے ہیں مگر یہاں ہماری مراد کرم سے وہ ہے جس کا تعلق مذہب سے ہے۔ زندگی ابتدائی مرحلوں سے گزرتی ہوئی جب اس طبقے میں آتی ہے۔ جہاں نگاہ اونچی ہو جاتی ہے۔ اور موت و زندگی کے مسائل خود بخود دل کے سامنے آ جاتے ہیں اس

وقت سے مذہبی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ ایک حالت دیکھ لی۔ ناشمان ثابت ہوئی۔ دوسری حالت دیکھی وہ بھی اس کا بھائی بند تھی۔ تیسری پر نظر ڈالی وہ اس سے جدا نہیں تھی۔ سوال پیدا ہوا آخر یہ کیا ہے؟ یونہی سب چیزیں ناشمان ہیں۔ یا ان میں کوئی چیز پائدار بھی ہے۔ ہر جگہ تبدیلی ہی تبدیلی ہے۔ یا کسی میں کچھ قرار اور سکون بھی ہے؟ ہر چہار طرف ایک آتشکدہ بھبک بھبک کر جل رہا ہے۔ کہیں شانتی کی ٹھنڈک کا بھی امکان ہے یا سرشٹی میں اسی طرح سب کا ایندھن بن کر جلنا مقصود ہے۔ یہ خیال ہے جو طبیعت کو مذہب کی طرف مائل کرتا ہے۔

خیال جم گیا خیالی ذرات متحد ہو کر ایک نقطے پر ٹھہر گئے۔ وہ نقطہ مرکز کی شکل میں قائم ہو گیا جس کو سنتوں کی پری بھاشا (اصلاح) میں سُرت کہتے ہیں۔ مرکز کے بنتے ہی بیشمار دائروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ دائرے کے اندر قطر بنے۔ بیشمار نصف قطر ہوئے۔ اور وہاں بھی کشمکش کی حالت شروع ہوئی۔ دل ہی کے اندر خیالی باغ بنتے ہیں خیالی قصبے۔ خیالی شہر آباد ہوتے ہیں۔ خیالی جاندار پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں بھی کشمکش ہے۔

دل کو دیکھا دل کے مرکز کو دیکھا۔ اور اس متحد جگہ سے کسی شے کی طرف جس میں ادھر جس سے دل کا ظہور ہوا تھا۔ توجہ کی۔ ادھر رخ کیا۔ ادھر نظر غور سے دیکھا۔ اس کو جانا اور اس کے جاننے سے صبر اور قرار آ گیا۔ شانتی نصیب ہوئی۔ مذہب کا مقصد ملا۔ اس کی تکمیل ہو گئی۔ اب نہ کہیں کشمکش ہے۔ نہ جدوجہد ہے۔ یہ قرار۔ سکون اور شانتی کی حالت ہے۔

جو لوگ ظاہرا مذہب کی طرف جھکے ہیں۔ ان کی روح اندر ہی اندر

اوپر کی طرف جانے کے لئے کُرید رہی ہے۔ مگر یہ انجان نفس مطلب کو نہ سمجھ کر اس کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ اور بیہودہ تقریر۔ تحریر۔ بحث مباحثہ قیل و قال اور حجت تکرار میں پڑ کر دوسروں کے دل کو ستاتے ہیں۔ اپنا کام نہیں بناتے۔ اوروں کا نقصان کرتے ہیں۔ اور ان کے مکدّر خیالی جذبات اور محسوسات کی دھاروں کو اپنے دل کی طرف رجوع کرتے ہوئے مکدّر۔ مغلظ اور ناپاک بن جاتے ہیں۔ اور وہ دلی جذبہ جو بچگی کی حالت میں بھاپے موت مر جاتا ہے۔ وہ منزل مقصود سے کوسوں دور جا پڑتے ہیں۔ کون جانے کتنے جنموں کے بعد کب اور کس طرح سے وہ حالت پھر از سرِ نو پیدا ہوگی۔

کچھ کام بھی کرنا ہے یا یوں ہی وقت باتوں میں ٹالنا ہے۔ آج کل کے سائنس دان کہتے ہیں۔ کہ ارتقاء (ایوولیوشن) کے بموجب زندگی چھوٹے جانداروں اور نباتات وغیرہ سے بتدریج آئی ہے۔ بہت ٹھیک۔ بدھ وغیرہ صاحب کمال شخصیتیں اسی طرح حقیر حالت سے بڑھتی ہوئی جلیل الشان حیثیت کو پہنچی ہیں۔ مان لو وہ ایسی ہی ہیں۔ مگر وہ یونہی خود بخود تو نہیں بنی۔ سب کو سادھن اوستھا سے گزرنا ہوتا ہے

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام
ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام

بدھ کی سوانح عمری جو اس مہاتما کے شاگردوں نے لکھی ہے۔ بتاتی ہے کہ وہ مختلف لوکوں میں پیدا ہوئے۔ مختلف طور پر مختلف تدبیروں سے اس عروج اور کمال کی حالت پر پہنچے ہیں۔ اگر بدھ یونہی باتیں بناتے رہتے تو کبھی یہ حالت نصیب نہ ہوتی۔ اگر مٹھائی مٹھائی کرنے سے منہ

میٹھا ہو سکتا ہے۔ تو کوئی کرم کی سرشٹی ہیں کیوں مٹھائی بنانے اور مٹھائی لینے کی فکر کرتا۔ سب بات ہی بنایا کرتے۔ اور سب کچھ ہو جایا کرتا۔ اگر یوں ہی اناپ شناپ مذہبی بکواس سب کچھ ہوتی۔ تب تو ساری دنیا مذہبی بن جاتی۔ ایسا نہیں ہوتا۔

باتوں کے بکوان سے رہا یا ناہیں کوئے

جن کو کچھ ہونا ہے۔ جن کو کچھ کرنا ہے۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے رہتے۔ کچھ کرتے بھی ہیں۔ کچھ سادھن سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔

ست کبیر کی ساکھی

کٹھنی کے ٹھوکتے گھنے۔ ٹھوکتے باندھے تیر
مرم بان جاکے لگا۔ تن کے بِکل سریر

طبیعت ایک خیال پر جم گئی۔ اس کے خیال کے پیچھے مجنوں اور دیوانہ بن کر سرب انگ سے دوڑ پڑے۔ اور اپنا کام بنا لیا۔ سوائے اس کے اور کسی کا سودا نہیں۔ اس کو چھوڑ کر اور کسی کا خیال نہیں۔ ایک دل میں بس گیا۔ انیک کا وہم باطل غو دبخود دور ہو گیا۔

ست کبیر کی ساکھی

مانش جنم دُرلبھ ہے جنم نہ بارمبار
جن جن پنتھوں چالنا۔ سوئی پنتھ سنوار

یہاں ہر چیز کا پیدا وہ ہے۔ ہر چیز بڑھتی ہے اور اپنا دورِ تسلسل بناتی ہے۔ اگر سرشٹی کے پرواہ میں نہیں بہتے ہو۔ اگر تقریر اور تحریر

کے جنگل میں بھرمتے ہو۔ تو کبھی ایسی بری طرح سے پھنس جاؤ گے۔ کہ اس سے نکلنا دشوار ہوگا۔ یہاں کام بنانا ہے۔ یا باتیں بنانی ہیں۔ سنتوں نے آواز بلند یہ صدا دی ہے کہ اس میں نہ بھولو نہ بھٹکو۔ سیدھے مارگ پر چلو۔ اٹل مارگ سے اختیار کرو۔ باہر کی طرف اندریوں کو روکو۔ اندر کی طرف اُن کا رخ کرو تب ہی کام بنے گا۔

پڑھنا لکھنا چھوڑ دو۔ چھوڑو کتھا پوران
اُلٹ وید کا بھید گہہ۔ سار شبد گورو گیان

جس دھار پر سوار ہو کر نیچے اُترے ہو۔ اُسی دھار کو پکڑ کر اوپر کی طرف چلو۔ رُوپ رنگ ریکھ کے جگت سے منہ موڑ کر اس کا تصور کرو جس میں روپ اور رنگ اور ریکھا نہیں ہے۔ اور جس سے روپ رنگ اور ریکھا پرگھٹ ہوئی۔

روپ ریکھ جا کے نہیں۔ ادھر رہے نہہ دھیہ
گگن منڈل کے مدھیہ کا۔ باسی پرش بدیہہ
پانی سے اتی پاتلا۔ دھوئیں سے اتی چھین
وایو سے اتی زریلا۔ دوست کبیرا کین
چندر سور جا میں نہیں۔ نہیں کرم نہیں کال
کبیر تا کے نام تے۔ چھوٹا سب جنجال
ستّ ستّ ہے ستّ ہے ستّ روپ لے جان
ستّ روپ کے گیان تے آواگون مٹان
ستّ لکھ ستّ پڑھ۔ ستّ گن اور ستّ ہی جان
کبیر ستّ کے گیان تے ملے گا پد نروان

اگر سچ مچ اس حالت کے پراپت کرنے کی خواہش ہے تو سادھن سے جی لگانا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ اس جنم میں وہ حالت پراپت نہ ہو۔ ہر کام میں دیر لگتی ہے۔ مگر آگے کا تو راستہ کھلتا ہے۔ مگر یہ صرف کہنے کی بات ہے کام کرنے والے اسی جنم میں اپنا کام بنا لیتے ہیں۔ تم جس چیز کی خواہش کرتے ہو وہ مل کر رہتی ہے۔ خواہش ہی سے سنسار بنا ہے اور اسکی خواہش چھوڑنے سے ہی وہ چھوٹے گا۔ تم جانتے ہو تمہارا جسم کس نے بنایا ہے تمہاری اپنی باسنا نے یہ جسم رچا ہے۔ تم کو سننے کی خواہش ہوئی۔ کان کے سوراخ بن گئے۔ تم کو دیکھنے کی اچھا ہوئی۔ آنکھ کا ڈھیلہ بن گیا دیکھنے کی خواہش پہلے موجود تھی اس کے بعد اس کا حواس بنا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس اسی طرح خواہشوں کے سلسلے میں جگت کے سارے پدارتھ بنتے چلے آرہے ہیں۔ ایک مرتبہ آگرے میں ہم حضور مہاراج کے درشن کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ فرمانے لگے کہ دنیا میں ابھی بڑے بڑے ترقی کے سامان پیدا ہوں گے۔ ایک زمانہ آنے والا ہے جب لوگ مکان کی دیواروں پر (اس وقت) نظر نہ آنے والے عکس کو دیکھ سکیں گے ہم نے پوچھا مہاراج! ایسا کیوں ہوگا؟ آپ فرمانے لگے۔ انسان کی خواہش کا رخ اس طرف ہے۔ یہ ساری ترقیاں جو تم دیکھتے ہو۔ اور ان سے بھی بڑھ کر اسی کلجگ میں ہوتی ہیں۔ کیونکہ کلجگ میں انسان زیادہ باہر مکھی ہوتا ہے۔ اس کی ضرورتیں بڑھتی رہتی ہیں۔ اور ضرورتوں کی وجہ سے ایجادات و اختراعات ہوتے رہتے ہیں۔

جس طرح باہر مکھی خواہشوں کی وجہ سے باہر کی رچنا میں ترقی کے سامان نظر آتے ہیں۔ ویسے ہی انتر مکھی ہونے سے انتری خواہش کے

پربھاؤ سے انترمی پرکاش کا چمکار دکھائی دے سکتا ہے۔ دل ایک مشعل ہے۔ اس کا رُخ باہر کی طرف ہے۔ اُسی کے پرکاش سے باہر پرکاش دکھائی دے رہا ہے۔ ذرا اس مشعل کا منہ اوپر کی طرف پھیر دو۔ بھیتر بھی نور اً علےٰ نور ہو جائے گا۔

دل کی مشعل جل اُٹھی ہر سو اُجالا ہو گیا
وجد کا اور حال کا عالم دوبالا ہو گیا

اگر مکتی کی خواہش ہے تو یوگ کا سادھن کرو۔ سنتوں نے سب سے سہل سُرت شبد یوگ کی تعلیم دی ہے۔ ایسی صحبت میں جاؤ جو تمہارے سادھن میں سہایک ہو۔ ایسی مجلس میں اُٹھو بیٹھو جس میں اسی کا خیال کا منڈل بنتا ہو صرف ایسی کتابوں کا پاٹھ کرو جن سے اس کے متعلق سوچنے کی رگ کو حرکت ملتی رہے۔ اور سب کچھ ہو جائے گا۔ آزادی کے خواہشمند کے لئے کسی آزاد صاحبدل کی صحبت ضروری ہے تاکہ اُسی کے ایسے جذبات پیدا ہوں۔

مرد حجیٰ ہمرہٗ حاجی طلب
خواہ ہندو خواہ تُرک و یا عرب
گر سفر داری بدیں رایت برو
ور خضر باشی ازیں غافل مشو

کسی نہ کسی طرح جیسے ہو سکے۔ اس ایک خیال کو مضبوط کرتے چلو اسی میں برتو۔ اُسی میں رہو۔ اسی کو سوچو۔ اسی میں کام کرو یہاں تک کہ موت اور زندگی کے سوال کو بھی اسی کے حوالے کر دو۔

ایک نام کو جان کر دو جا دیئے بہائے

تیرتھ جپ تپ برت نہیں ستگور چرن سمائے
سب آئے اس ایک میں۔ ڈال پات پھل پھول
اب سیپتے کو کیا رہا۔ گہہ پکڑا جب مُول
ایکے تے سب جانیا۔ سب تے ایک نہ جان
جو یہ ایک نہ جانیا۔ سب ہی جان اجان

تم جانتے ہو۔ دنیا میں کامیابی کس کو نصیب ہوتی ہے بکواسی اور بیہودہ گو کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ کامیاب تو کام کرنے والے ہوتے ہیں۔ صبح کو اٹھے کام سے جی لگایا۔ دل کی متحد طاقت کام کی طرف رجوع ہوئی۔ نہ کھانے کا خیال نہ پینے کا خیال۔ نہ دوست احباب سے ملنے کا خیال دن کو کام کرتے ہیں۔ رات کو اسی قسم کا خواب دیکھتے ہیں۔ اور اس کام کے سلسلے میں جگت کو مجبور کر دیتے ہیں۔ کہ وہ کامیابی انکے ہاتھوں میں سپرد کر دے۔

جیکے دان ویکے بین و جیکے گوے
جیکے خوان ویکے خواہ و جیکے جوے

اسی طرح چند روز شغل کرنے سے غضب کی خوفناک قوت ارادی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو پہاڑ کے چیرنے سمندر کے سوکھنے اور کرۂ باد کو اپنی مٹھی میں دبا رکھنے کی ہمت رکھتی ہے۔ کون ہے جو اس باوے کا مقابلہ کرے۔ اس میں بہت بڑی طاقت ہے۔ جس کا حساب اور اندازہ لگانا مشکل ہے۔ وہ جدھر جھکتا ہے شیر کی طرح جھکتا ہے۔ روحانیت کے قلعے پر حملہ کرنا کسی بزدل کا کام نہیں ہے۔ اس کا فتح کرنا اُولوالعزم اور ہمت والے انسان کا کام ہے۔ کامیابی کا سہرا اسی کے سر باندھا

جاتا ہے۔ بات بنانے والے یوں ہی ساری عمر جھک مارا کرتے ہیں۔
قوتِ ارادی کی پختگی یوگ کی منزل میں پہلا مرحلہ ہے۔ یوگ مذہبِ عشق ہے۔ یوگ پریم کا مارگ ہے۔ اس راستے کا چلنے والا اِدھر اُدھر نہیں دیکھا کرتا۔ سوائے اپنے معشوق مطلوب اور مقصود کے دوسرے کے تصور اور خیال کو بھی دل میں نہیں آنے دیتا۔ نہ اس کو مذہب کے پرچار کا سودا ہے۔ نہ جماعت کے بڑھانے کی فکر ہے۔ اس کو تو صرف اپنے معشوق کی تلاش ہے۔ اور سوائے اپنے معشوق کے وہ کسی کو دیکھنا تک نہیں چاہتا۔ کیا تم نے کسی عاشق کو اپنے معشوق کے حسن و جمال کا اشتہار دیتے ہوئے دیکھا ہے؟ اس کو کسی کی کیا پڑی ہے۔ وہ جنونی ہے۔ سودائی ہے۔ بادلا ہے۔ جو لگن لگ گئی لگ گئی۔ جو سودا سر میں سما گیا سما گیا۔ نہ اُسے دین سے واسطہ ہے نہ دنیا سے مطلب ہے۔ ایسے لوگ ہیں جو مذہب کے مشکل اور پیچیدہ معموں کو سُلجھاتے ہیں۔ بات بنانے والوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہاں عذاب اور ثواب۔ بہشت و دوزخ حور و غلمان کسی کا وہم نہیں ستاتا۔ اس کے دل میں وسوسات نہیں۔ اس کے دل میں خدشات نہیں۔ اس کے دل میں خطرات نہیں بے کھٹکے مردانہ وار طریقت کے مرحلوں کو طے کرتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ آج جبروتی قلعے کو سنگسار کیا۔ کل ملکوتی طبقے کو پار کیا۔ پرسوں لاہوت اور ناسوت کے ناکوں کو توڑتے ہوئے ست لوک تک رسائی حاصل کر لی۔ اس سے مل کر ایک ہو رہا جو سب کی رُوح و رواں تھا۔ نہ وہاں چاند ہے نہ سورج ہے۔ نہ قمر ہے نہ تارے ہیں۔ شبِ دیجور کی تاریکی کا امکان نہیں۔ دوپہر کے نصف النہار تک کے چمکتے ہوئے شمس منور

کا گمان نہیں۔ کیا تم کو بھی اس قسم کے جذبات پیدا کرنیکا خیال ہے اگر ہے
تو آجاؤ پس و پیش نہ کرو۔ اس دیوانگی کی خلعت کو حاصل کر کے
زیب تن کر لو۔

پیش نظر ہے میداں دشوار راستہ ہے
جنگل گھنے ہیں ہر سو مشکل کا سامنا ہے
اس میں بڑے ہیں دریا اس میں بڑے ہیں نالے
اور اس میں جا بجا ہیں بندھیا چل اور ہمالے
ہے جائے پر خطر سی اونچی چڑھائی اس کی
ناقابلِ گذر ہے سر توڑ اونچائی اس کی
وادی بہت ہیں گہرے اژدر کے گھر بنے ہیں
ہیں ان میں لاکھوں ڈرے اور پر خطر بنے ہیں
ساتھی ہے واں نہ ہمدم نے یار و آشنا ہے
چلنا پڑے گا تنہا وہ ایسا راستہ ہے
مجھ کو بتا دے سالک تیار ہے اگر تو
تیار ہے تو آجا ہشیار ہے اگر تو

گر جیتے جی ہو مرنا آ میرے ساتھ ہو لے
دے چھوڑ ساتھ سب کا تخمِ وفا تو بو لے
دنیا بھی چاہتا ہے عقبےٰ بھی چاہتا ہے
یہ ہے خیال باطل دونوں ہی چاہتا ہے
دنیا کو تو بھلا دے عقبےٰ کی حرص ہے گر

پہلے خودی مٹا دے پھر فکر بیخودی کر
دل ایک ہی بلا ہے چاہے جہاں لگا دے
یا فکر کر بتوں کی یا ذکر حق کو جا دے
یاں ایک ہی ہے سُننا اور ایک ہی ہے کہنا
اور ایک ہی کا ہو کر تجھ کو پڑے گا رہنا
مجھ کو بتا دے سالک تیار ہے اگر تُو
تیار ہے تو آ جا ہشیار ہے اگر تُو

یاں دلدلوں میں پھنس کر انساں ہے جاں گنواتا
پھسلا قدم ذرا بھی تحت الثرا ہے جاتا
منزل کڑی بہت ہے لازم ہے ہوشیاری
طے مشکلوں سے ہوگی وقت بڑی ہے بھاری
دنیا و دیں کے جھگڑے سب کو مٹانا ہوگا
بُوئے دوئی مٹا کر تو کو لگانا ہوگا
اپنا خیال گر ہے ہوگی نہ واں رسائی
کام آئے گی نہ ہرگز زہد اور پارسائی
مذہب ہے عاشقوں کا رستہ کٹھن ہے ازبس
اس رستے میں بھائی رنج و محن ہے ازبس
مجھ کو بتا دے سالک تیار ہے اگر تُو
تیار ہے تو آ جا ہشیار ہے اگر تُو

اس کشمکش! اس جد وجہد۔ اس زبردست قوت ارادی۔ اس ان تھک محنت اور اس بے حد وحساب مشقت کا کیا کہنا ہے؟ دنیا کے کس کام میں محنت نہیں پڑتی۔

عاشقاں را سہ علامت داں یقیں
رُوئے زرد و آہ سرد و چشم تر

اگر آنا ہو۔ تو آجاؤ۔ سادھن سیکھو۔ سادھن میں لگو۔ بھول چوک کا کوئی خیال نہیں۔ لڑکے چلنے سے پہلے ہمیشہ گرتے ہی پڑتے رہتے ہیں۔ آؤ سادھن سیکھو۔ دھیان اور بھیاس کا شغل کرو۔ اور جب تھوڑا بہت ساکشات کار کر لوگے تب تم کو کچھ کہنے کا حق حاصل ہوگا اس سے پہلے کہنا جھک مارنا ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

کام کرو

کام کرنا ہو تو مستعدی سے تم کام کرو ۔ کام کرتے ہوئے دنیا میں بھی کچھ نام کرو
دین و دنیا نہ ملیگی نہیں گر کام سے کام ابتدا کام کی گر کی ہے تو انجام کرو
ابتدا کرتے ہوئے ہاتھ ہلاؤ اپنا کام کے بعد اگر چاہو تو آرام کرو
کامیابی تمہیں اس کام سے حاصل ہوگی صبح گر ہو نا نہیں کام سر شام کرو
نہیں دلداری کی گر تم میں تمیز آئی ہے دل کو لو مٹھی میں اور نذر دلارام کرو
مستی اور وجد کی لذت گر کچھ ہے ہوس ترک خیال قدح و بادہ گلفام کرو

سست مت بیٹھو۔ نکمے نہ رہو میری سنو
دل سے اور جان سے کچھ کام کرو کام کرو

پرم سنت کبیر صاحب کے متعلق چند کتھائیں

کلجگ میں کبیر صاحب پہلے سنت ہیں جو جیؤں کو چیتانے کے واسطے اس بھومنڈل میں پرگٹ ہوئے تھے۔ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ ہر جگ میں جیؤں کو چیتاتے رہے ہیں۔ مگر تواریخی کبیر کا ظہور محمد تغلق کے زمانے میں ہوا۔ اور اس وقت سے لے کر سکندر لودھی کے عہد تک برابر ان کے اُپدیشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ کبیر صاحب دنیا میں ست پُرش تھے۔ ست پُرش کے ظہور تھے اور جو کچھ اُنکی تعلیم ہے ست ہی ست ہے اور ست سے متعلق ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

کہیں کبیر ہم اُدھر کے بھیدی لائے حکم حضوری

کبیر صاحب نے مختلف طور پر گرہوں کو تعلیم دی ہے۔ ان میں سے چند روایتوں کو ہم یہاں قلمبند کرتے ہیں۔

گرنتھ نربھے گیان میں مرقوم ہے۔ کہ جہاں گشت نامی ایک مسلمان کامل فقیر تھا۔ جو ہمیشہ سیر و سیاحت میں رہا کرتا تھا۔ جب وہ ہندوستان میں آیا۔ لوگوں کی زبانی سُنا۔ کہ کبیر صاحب کا ظہور ہوا ہے۔ دل میں انکے دیکھنے کی خواہش ہوئی چل کھڑا ہوا کبیر صاحب نے سنا کہ جہاں گشت انکے درشنوں کے لئے آرہا ہے آپ بہت خوش ہوئے و ہرم داس سے فرمایا یہ آدمی سچا ہے مگر ابھی تک دین کے جھگڑوں میں پڑا ہے مالک نے اسکو میرے پاس بھیجا ہے کہ میں اسکو قید بند سے نجات دوں تم ایک سور لاکر دروازہ پر باندھ دو۔ تاکہ آتے ہی اُس پر

خاص قسم کا اثر پڑے۔ دھرم داس نے ایسا ہی کیا۔ جہاں گشت گھومتے پھرتے ہوئے در دولت پر حاضر ہوا۔ دیکھتا کیا ہے کہ دروازے پر سُؤر بندھا ہُوا ہے۔ دل میں کراہت پیدا ہوئی۔ نفرت کو روک نہیں سکا۔ اُلٹے پاؤں واپس جانا چاہا۔ مہاراج جھروکے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آواز دی۔ جہاں گشت کیوں آیا۔ اور کیسے پھر جاتا ہے! کبیر کے گھر سے تیرا محروم جانا اچھا نہیں۔ صُوفی حیران ہوگیا سمجھا۔ کبیر صاحب نے مجھ کو دیکھ لیا۔ دل میں شرمایا۔ اور پاس آ کر معمولی اور رسمی آداب بجا لانے کے بعد عرض کی کہ حضور! آپ بزرگ کامل خدا رسیدہ اور زبردست فقیر ہیں۔ یہ کیا کر رکھا ہے۔؟ دروازے پر حرام باندھ رکھا ہے۔ کبیر صاحب نے جواب دیا۔ جہاں گشت! حرام تیرے دل میں ہے۔ اگر دل میں نہ ہوتا تو باہر کیسے دکھائی دیتا۔

کہ بچشمان دل مبیں جز دوست
ہرچہ بینی بداں کہ مظہر اوست

میں نے حرام کو باہر نکال دیا۔ تو نے حرام کو اپنے دل میں رکھ چھوڑا ہے۔ اس کا باہر نکالنا اچھا ہے یا اندر رکھنا اچھا ہے۔ جو اندر ہے وہی باہر نظر آتا ہے۔ جو دل میں ہے وہی خیال کی دھاروں میں باہر نکلتا ہے۔ تو سمجھتا ہے حلال و حرام بھی کوئی چیز ہُوا کرتی ہے ایسا نہیں ہے۔ حلال و حرام میں اُن کا عقیدہ ہے۔ جو خدا کو دو شکل میں دیکھتے ہیں۔ ایزد اور اہرمن۔ ذرا سینہ پر ہاتھ رکھ کر ایمان سے کہدے کہ یہ بات صحیح ہے یا نہیں۔ میرے نزدیک نہ کوئی چیز پاک

ہے۔ نہ ناپاک ہے۔ سب میں اسی ایک کا جوہر ہے۔ سب اسی کے بال بچے ہیں۔ میں کس کو چھوٹا کہوں کس کو بڑا؟ کس کو ادنےٰ سمجھوں کس کو اعلےٰ؟ کس کو پاک سمجھوں۔ کس کو نجس۔ میری آنکھوں میں تو ہر جگہ اُسی کا نُور رہے ہی مختلف شکلوں میں نظر آ رہا ہے۔ تجھ میں ابھی تک تمیز کی قوت باقی ہے۔ جیسا چاہے ویسا کہے تجھ کو اختیار ہے۔

جہاں گشت محجوب ہوًا۔ اور ان کے پاؤں پر گر پڑا۔ معذرت کی کبیر صاحب نے سر پر مہر کا ہاتھ رکھا۔ اور وہ کرتیہ کرتیہ ہوگیا۔ تب کبیر جی نے یہ بات کہی۔

بھائی رے دوئی جگدیش کہاں تے آئے؟ کہو کون بھرمایا؟
اللہ رام کریما کیشو۔ ہری حضرت نام دھرایا
گہنا ایک کنک تے گہنا۔ تامیں بھاؤ نہ دُوجا
کہن سُنن کو دُوئی کر تھاپا اک نماز اک پُوجا
نگم رسال چار پھل لاگے۔ تامیں تین سمائی
یک ہے دور چاہے سب کوئی جتن جتن کوئی پائی
گئے بسنت گریشم رتو آئی۔ بہُر نہ تر ور آوے
کہے کبیر سوامی سکھ ساگر۔ رام مگن ہوے پاوے

---

(۲) رام داس نامی ایک براہمن کبیر صاحب کے پاس آیا۔ وہ ملک دکن میں نربدا ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ نہانے کے لیے آیا ہوًا تھا۔ جب اس کو معلوم ہوًا کہ یہ کبیر صاحب ہیں۔ شردھا اور بھگتی سے درشن کیا۔ اور کہنے لگا مہاراج! آپ سِدّھ پُرش ہو۔ مجھ کو دشمن

کا درشن کراؤ۔ کبیر صاحب بولے۔ سارے روپ وشنو ہی کے ہیں۔ بھگتی کی آنکھ پیدا کرلے۔ درشن ملے گا۔ وشنو ایک جگہ نہیں سب جگہ ہے۔ وہ بولا۔ اس کی سند نہیں۔ مجھ کو انہیں آنکھوں سے درشن ہو۔ کبیر صاحب مسکرائے۔ کہنے لگے۔ اچھا۔ جا۔ کل کسی نہ کسی روپ میں تجھ کو وشنو کا درشن دوپہر کے وقت ہو جاوے گا۔ براہمن بھولا بھالا آدمی تھا۔ گھر گیا۔ دوسرے روز صبح خوب پکوان بنائے۔ اپنی بیٹھک میں صاف ستھرا فرش بچھایا۔ اور اُسی پر پکوان لاکر رکھ دیا۔ اتفاق کی بات عین دوپہر کے وقت ایک بھینسا موٹا تازہ دوڑتا ہُوا اس کی بیٹھک کی طرف چلا گیا۔ براہمن کی نظر جو چُوکی تو وہ سب پکوان کھا گیا اور فرش کو میلا کر دیا۔ براہمن کو غصہ آیا۔ ڈنڈا لے کر پیچھے پڑا۔ اور اس کو مار بھگا دیا۔ شام کے وقت پھر کبیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ حضور! سارا دن انتظار میں گذر گیا۔ وشنو مہاراج نے درشن نہیں دئے۔ کبیر صاحب پہلے ہی سے بھینسے کے آنے کا واقعہ سُن چکے تھے۔ بولے۔ رام داس! تیرے گھر میں وقت مقررہ پر وشنو بھینسے کے روپ میں آئے۔ تیرا پکوان کھا گئے۔ تو نے ڈنڈے سے ان کی سواگت کی۔ پھر کیسے کہتا ہے کہ وشنو نہیں آئے کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ وشنو کے ایک دو نہیں لاکھوں روپ ہیں۔ تو بھول گیا۔ میری بات کا تجھ کو دھیان نہیں رہا۔ اے نادان یہ مورتیمان جگت سارے کا سارا وشنو روپ ہے۔ تو کس کو کہاں تلاش کرتا ہے۔

براہمن کو اس معمولی تعلیم سے گیان ہو گیا۔ وہ شرمندہ ہو کر پاؤں پڑا اور ان کا چیلا ہو کر بھگتی کا پاتر بن گیا۔

ساکھی

کبیر سنگت سادھ کی صاحب آویں یاد
لیکھے میں سوئی گھڑی۔ باقی کے دِن باد

۳۔ دھرم داس کبیر صاحب کے گورمکھ چیلے تھے۔ جب وہ اپنائے گئے، اُس کی بیوی جس کا نام آمن تھا۔ حضور میں حاضر ہوئی۔ کہنے لگی ناتھ! آپ نے میرا بسا بسایا گھر اُجاڑ دیا۔ اب کہئے۔ میں کہاں جاؤں اور کسکی ہو کر رہوں۔ وہ بولے میں نے تیرا گھر نہیں اُجاڑا۔ بلکہ آباد کر دیا۔ تیری اولاد خوش قسمت ہوگی اور بہت دنوں تک پرُ اُپکار اور جیُوں کے چِتانے میں لگی رہے گی۔ اگر تو دھرم داس کی طرح ہونا چاہتی ہے تو جا کمل اوڑھ کر آ۔ میں تجھ کو بھی اپناؤنگا۔ اور تم دونوں میرے پُتر اور پُتری مشہور ہوگے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور فقیرانہ لباس پہن کر ستگرو کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ گورو نے اس کو دیکشا دی۔ آنکھ کھل گئی۔ اُس وقت اس نے اپنے شوہر (دھرم داس) سے مخاطب ہو کر جو شبد کہا ہے۔ وہ سننے اور سمجھنے کے لائق ہے۔

شبد آمن دیوی

سادھو! نام سنیہی نیارا۔ لکھ پرے نہ گُپت پیارا۔ جانیگا کوئی جانن ہارا
جب نہیں الکھ منش نرمایا۔ نا کچھ کیا بستارا
چر اور اچر چراچر۔ ناہیں نہیں من جوگ نہ مارا
تب نہیں ہوتے نر اور ناری نہیں سُور نہیں تارا
آپ ہی آپ۔ آپ میں رمیا۔ آپ ہی آپ سہارا

پولٹی جوت انت شبد سے شبد شبد کا سارا
تانے کورم سیس اُبجانے اُپجے اُنچ منجھارا
پُہپ دیپ میں لیلا ٹھالی پرگٹا سب سنسارا
جیو جیاؤں صاحب آئے دھر عادلی او تارا
آپ ہی پرگٹ گپت پُن آپو۔ کارن کرم۔ کرتارا
آمن کھے سنو دھرم دا سا۔ مت کبیر ہے نیارا

یہ بھاگمانی مہا انبھوی دیوی تھی۔ اس کے اثر سے بہت سی ستریاں دھرم میں شامل ہوئیں۔ اور اس کی اولاد کو کبیر صاحب نے اپنا جانشین بنایا۔

۴۔ جب کبیر صاحب نے صاحب کمال کو اپنی امرت دھار سے زندہ کیا۔ میر تقی نامی ایک صوفی نے کہا۔ میری بیٹی کو بھی اسی طرح زندگی بخشو۔ کبیر صاحب نے نظر پُر آلود سے دیکھا۔ اس کی مُردنی جاتی رہی اور وہ بچی زندگی کی مستحق ہوگئی۔ اس کا نام کمالی رکھا گیا۔ بعد کو وہ میر تقی کے گھر نہیں گئی اپنے آپ کو کبیر کی بالکی کہا کرتی تھی۔ یہ بھی صاحب سخن ہوئی ہے۔ افسوس! اس کے شبد نہیں ہاتھ آتے جس ایک مشہور شبد کو کمال سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی کو پہلے ہم بھی کمال ہی کا کلام سمجھتے تھے۔ وہ حقیقت میں تحقیقات کرنے کے بعد اسی کا ثابت ہوا۔ وہ یوں ہے۔

پانچ سہیلی میلی کچیلی۔ ہیں پانچوں سے نیاری کھڑی سی
نو دروازے بند کر لینے۔ دسویں کھلی میری کھڑکی ٹری سی
نا میں بولی نا میں چالی۔ اوڑھے دو پٹہ کنارے کھڑی سی
کہت کمالی کبیر کی بالکی۔ بیاہی سے ہیں کنواری بھلی سی

میر تقی کبیر صاحب کا معتقد ہو کر چرنوں میں آیا۔ اس کی بابت ست کبیر بیجک میں ایک آدھ بانی بھی آئی ہے۔

(۵) سربانند اپنے وقت کا بڑا مشہور اور عالم پنڈت تھا جس نے شاستراتھ کر کے سارے ملک کے پنڈتوں کو ہرا دیا تھا۔ ایک دن وہ اپنی ماں سے کہنے لگا کہ اب دنیا میں میرے جیسا کوئی پنڈت نہیں رہا میں نے سب کو شکست دی ہے۔ ماں نے کہا میں اس بات کو نہ مانوں گی۔ تو بنارس میں کبیر کو ہرا دے تب البتہ میں تیری پنڈتائی قبول کر دوں۔ اس نے کہا کبیر کون سا پنڈت ہے دیکھو سکو دم کے دم میں جواب کر کے آتا ہوں۔ وہ اپنے پوتھی پترے لادے ہوئے کبیر صاحب کے پاس آیا اور شاستراتھ کی درخواست کی۔ کبیر صاحب نے فرمایا۔ یہ شاستراتھ تو کس غرض سے کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا میں نے سب پنڈتوں کو شکست دی۔ میری ماں نے تمہارے ساتھ شاستراتھ کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب میں تم کو ہرا دوں گا تب وہ مجھ کو سب سے بڑا کہے گی۔ کبیر صاحب نے فرمایا اگر شاستراتھ کی غرض فتح و شکست ہے تو فرض کر لے میں ہار گیا تو جیت گیا۔ پنڈت نے کہا یہ نہیں تم کاغذ پر لکھ دو کہ میں جیت گیا تب میں جاؤں گا۔ کبیر صاحب نے فرمایا تو آپ لکھ لے۔ سربانند نے ایسا ہی کیا۔ مگر جب گھر پر پہنچ کر وہ پرچہ پڑھ کر ماں کو سنانے لگا۔ اس کی زبان سے نکل گیا کبیر صاحب جیتے اور سربانند ہار گیا۔ اس نے کاغذ کو دوبارہ پڑھا۔ وہی الفاظ اس میں لکھے ہوئے تھے۔ گھبرایا۔ دوبارہ آیا پھر کاغذ لکھ لے گیا۔ پھر وہی بات ہوئی جب وہ دل میں شرمایا اور کبیر صاحب کا معتقد ہو گیا۔ سربانند ان کے خاص چیلوں میں سے ہے۔

کبیر دعی ساکھ یہ سب گرنتھ کر جان   ست نام جگ جھوٹ ہے ست شبد پہچان

گورو

شبد ست پُرش رادھا سوامی دیال صاحب

جِیو چِتاون آئے رادھا سوامی بار بار تن کروں پرنامی
آرت تُو اُن کی کر دل سَچائی چِت شُدّھ کر تھال بنائی
اب جیوُوں کو چہیئے ایسا چل کر ارپین تن من سیسا
جوت جگاویں پریم برہ کی باتی جوڑیں بِرت لگن کی
جب آرت اُس لئی سنجوئی ستگور دیا درشٹی کر جوئی
دنیا دین جان اُپدیشا سُرت شبد میں کرو پرویشا
کھولو جا کر گھگن کیواڑی شیام کنج بیچ لاگی تاڑی
ستّ کنول پر من ٹھہرانا پھر گگّٹی جوت شُنّ میں جانا
سیت شیام دَل دونوں چھوڑے تیسر دل میں من کو جوڑے
بنک نال کا ناکا سوئی تن کی سُدھ گئی تہاں کھوئی
من اور سُرت چیت کر جاگی ترکُٹی شبد گورو میں لاگی
اب پایا بسرام ٹھکانا آرت پوُرن کری بکھانا
اتنا دھام سُرت نے پایا
رادھا سوامی برَن سنایا

نادان سمجھتے ہیں کہ گورو پڑھنے اور لکھنے سے ہوتے ہیں۔ اس جہالت کا کہیں ٹھکانا ہے؟ گورو بننے سے یا بنانے سے نہیں بنتے۔ گورو خود بخود سنسار میں پرگٹ ہوتے ہیں۔ ایک سمندر ہے جس سے وقتاً فوقتاً لہریں اٹھتی رہتی ہیں۔ ان لہروں میں اور سمندر میں فرق نہیں ہے جو لوگ خوش قسمتی سے ان روحانی لہروں کے دیرا ثر آجاتے ہیں۔ وہ روحانیت کی طراوت پاکر تر بتر ہو جاتے ہیں۔ جو اس سے دور دور رہتے ہیں۔ ان میں خشکی۔ چڑچڑا پن۔ تعصب اور تنگدلی رہتی ہے۔

دنیا بدلتی ہے۔ جو کل تھا آج نہیں ہے۔ جو آج ہے کل نہیں رہے گا۔ جس طرح بہتی ہوئی گنگا کی دھارا اپنا رُخ بدلتی رہتی ہے اور ہر زمانے میں مختلف طبقات کے سیراب اور شاداب کرنے کی غرض سے اپنا راستہ بدل دیتی ہے۔ اسی طرح روحانیت کا مجسم پرواہ اپنا رُخ بدلتا رہتا ہے۔ وقت پر جیوؤں کی روحانی پیاس بجھانے کے لئے نئے سلسلے تموج کے جوش میں آتے ہیں اور ان کا کام بنا جاتے ہیں۔ آج کچھ ہے کل کچھ ہوگا۔ صرف موقع بین اور موقع شناس جیو اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ باقی محروم رہ جاتے ہیں۔

جس طرح ہمالہ پہاڑ کے برفستانی دامن میں قدیم زمانے کے جانوروں کی ہڈیوں کے ٹھٹھرے محفوظ رہ کر عجائب خانوں میں رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مذہب کے پرانے سلسلے رسم و رواج اور طرز طریق کو سمجھنا چاہیئے۔ وہ کسی زمانے میں اپنا کام کر چکے۔ وہ اس وقت کے لئے ضروری اور لازمی تھے۔ آج وہ بے مصرف ہیں۔ ہاں ان کے مشاہدہ کرنے اور ان کی تحقیقات کرنے

سے ایک قسم کا حظ ضرور ملتا ہے۔ مگر ان سے روحانی استفادہ کی امید رکھنا عبث اور موہوم خیال ہے۔ ہر وقت کی ضرورتیں ایک سی نہیں ہوتیں۔ ہر وقت کی مصلحتیں جداگانہ ہوتی ہیں۔ جو چیز پہلے ضروری تھی اب آج کے لئے ضروری نہیں ہے۔ زندہ وجود کے لئے زندہ مذہب اور زندہ پیر اور زندہ خدا کی ضرورت ہے۔ مُردوں کے ساتھ ہم آغوشی کرنا صرف مُردہ صفت آدمیوں کا خاصہ ہے۔ اُن سے زندگی کب آتی ہے؟ وہ کب زندگی کو بخش سکتی ہیں؟ جو چیز مردہ ہو گئی وہ زندگی کے نور اور چمک دمک سے محروم ہو گئی۔ وہ نہ زندہ ہے نہ زندہ ہو سکتی ہے۔ اور نہ کسی اور کو زندگی بخش سکتی ہے۔ جو چیز جس چیز سے نہیں ہے وہ دوسروں کو کہاں سے دے گی۔

بے نافہ ہائے رمیدہ بو مپسند زحمتِ جستجو
بخیال حلقۂ زلف او گرہ خورد بہ ختنِ درا

نافہ سے خوشبو نکل گئی۔ اب اس کو کیوں ناک سے لگاتے ہو؟ کیوں نہیں زندہ نافہ تلاش کرتے؟ تاکہ دماغ معطر ہو۔ اور نافہ کی خوشبو کی سمجھ آئے۔

عجائب خانوں کے مُردہ ٹھٹھریوں کے نظارے میں تفریح تلاش کرنے والوں کے لئے ہمارا سندیش نہیں ہے۔ وہ راتدن گذشتہ واقعات اور مُردہ سوانحات سے خوش ہوا کریں۔ نہ ان سے کوئی جھگڑا ہے نہ بکھیڑا ہے۔ مگر جو زندہ ہیں۔ زندہ خیال والے ہیں۔ اور روحانی زندگی کے مزے لوٹنے کے خواہشمند ہیں۔ یہ پیغام صرف انہیں کو سنایا جاتا ہے۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

جب تعلیم و تدریس کا پرانا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ جب حکومت اور سلطنت کا پرانا ڈھنگ فراموش کر دیا گیا۔ جب پرانے علم و ہنر بے مصرف اور نکمے بن گئے تو سمجھ دار لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ پرانی روحانی تعلیم کس حد تک دل کو متحرک اور دماغ کو قابل غور بنا سکے گی؟ نہ کبھی ایسا ہوا نہ ہوگا۔ نہ ایسا ہونے کی امید ہے۔ اگر تم پرانے کھنڈروں کو زندہ کرنے کا دعوے کرتے ہو۔ اگر تم پرانے وقت کو واپس لانے کی خواہش رکھتے ہو۔ اگر تم کو حوصلہ ہے کہ پرانے آئین کا از سر نو رواج ہو۔ تو کر دیکھو۔ آزما دیکھو۔ تجربے کے لئے موقع حاصل ہے۔ مگر جب تم کل کو آج واپس نہیں لا سکتے۔ اپنے بڑھاپے کے وقت لڑکپن اور جوانی کے مزوں کو نہیں لوٹا سکتے تو کیسے ہم تسلیم کریں کہ تم کو اپنے کام میں کبھی کامیابی نصیب ہوگی۔ وہ بات تو کبھی ہونے والی ہی نہیں ہے۔ وقت گزر چکا۔ اس وقت کا مقتضا ہے وقت جاتا رہا۔ ہم نے اپنے طور پر اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ دفتر کھنگال دیکھے۔ سارے مذہبوں سے رشتۂ تعلق جوڑ کر مجبور اور لاچار ہوکر منہ موڑ لیا۔ تم بھی کر دیکھو۔ ہم تو پچھتا کر۔ گھبرا کر ان سے مایوس ہوکر پھر زندگی کی طرف واپس آ گئے۔ اس سے محظوظ ہیں۔ شاد کام ہیں۔ کچھ پلے بھی پڑ رہا ہے۔ تمہارا بھی تماشہ نظر کے سامنے ہے دیکھتے ہیں۔ تمہاری سنتی کیا کام کرتی ہے۔ گو دل میں پورا پورا یقین ہے کہ تم بیکسی سے بے بسی سے لاچاری اور مجبوری سے یقینی موت کے منہ میں چلے جا رہے ہو۔ دن یوں ہی ضائع ہو رہا ہے۔ آخر میں پچھتاؤ گے۔ زمانہ کے ہاتھوں سے

شعر مسافر

نہ ہوگے اور آخر کو کسی نہ کسی وقت مولوی رُوم کے ہمزبان بن کر اقرار کروگے کہ

چوں رسد آں بہ بیند گرگ و شیر
عمر ضائع راہ دُور و روز دیر

بھوت اور پریتوں کی آواز نہ سنو۔ اپنے ایسے زندہ وجودوں سے تعلق رکھو۔

بانگ غولاں ہست بانگِ آشنا
آشنائے کو کشد سوئے فنا

زندہ گورُو روحانی طاقت کا بھنڈار ہے۔ اس کے پسِ پشت روحانیت کی بہت بڑی طاقت چھپی ہوئی ہے۔ ایک آتش فشاں پہاڑ ہے جو بھبک بھبک کر اپنی حرارت۔ روحانیت اور نورانیت کا جلوہ دکھا رہا ہے۔ جو اس کے پاس آتے ہیں۔ حرص اور آز۔ رنج اور فکر درد اور غم کے خس و خاشاک کو جلا دیتے ہیں۔ آگ سے مل کر آگ ہو جاتے ہیں۔ وہی رنگ۔ وہی پرکاش وہی نُور اور وہی سُرور اُن کے حصے میں آتا ہے اور وہ بھی نور افشاں آتش افشاں اور سُرور افشاں ہو جاتے ہیں۔ جو اس طرح کام نہیں کرتے۔ اور مُردہ پرستی۔ نقل پرستی اور عکس پرستی کے دلدادہ ہیں وہ لالچ اور حرص کے شکار رہتے ہیں

چوں شود آں بانگ غول آخر بگو
جاہ خواہم مال خواہم آبرو

اگر مُردہ گورو کا نام تم کو مغفرت بخشوا سکتا ہے تو کونسی بات ہے ہمارے گھروں میں جو آم کی خشک لکڑی جلانے کے لئے آتی ہے ہم

اُس سے پرارتھنا کریں گے کہ اے آم کے خشک درخت! تو دیا کرا ہم کو اچھے اچھے آم کھانے کو دے۔ اور ہم آسودہ ہو کر اس کا رس چکھ لیں اور خوشی سے تیرے گن گاتے پھریں۔ اگر ایسا ممکن ہے تو وہ بھی ممکن ہوگا اگر ایسا نہیں ممکن ہے تو وہ بھی ممکن نہیں ہوگا۔

وقت گورو اور زندہ گورو کی طاقتیں بے حد و بے حساب ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ پڑھنے لکھنے سے گورو بنتے ہیں۔ علم ظاہری اور ہے۔ علم باطنی اور شئے ہے۔ یہ علم لدنی ہے۔ یہ پراودیا ہے۔ یہ اکتساب سے نہیں آتا یہ اُس کو ملتا ہے جو گورو کے دامن کو پکڑ کر براہ راست اُس کی کشفی طاقتوں سے طلب مُراد کرتے ہیں۔ گورو کیا ہیں؟ سنو! سننے والے سُنائے گئے ہیں۔

باکفش دریائے کُل را اتصال
ہست بیچون و چگانہ در کمال
ہیچ نکشد نفس را جز ظلّ پیر
دامنِ آں نفس کُش را سخت گیر
چوں بگیری سخت آں توفیق ہوست
ہرچہ قوت در تو آید کشف اوست

کبیر صاحب کو کس نے پڑھایا تھا؟ نانک صاحب کون عالم متبحر تھے۔ مگر دیکھو وہ قدرتی طور پر تمام باطنی علوم کے بھنڈار رکھتے ہے۔ روحانیت کا سُورج اپنے وقت پر چمک اُٹھا۔ نُور اعلےٰ نُور ہو گیا۔ ایک دنیا نے دیکھا۔ ششدر اور متحیر ہو گئی۔ گورو روحانی سُورج ہیں جن میں اس نُور کے پہچاننے کی تمیز ہے۔ وہ اسکو دیکھتے ہیں۔ اور نُور کا استفادہ کرتے

ہوئے خود منوّر۔ پرکاشوان۔ اور ذات نور ہو جاتے ہیں۔ جو اس کے برعکس ہے وہ کیا خبر رکھتے ہیں۔

سرمدِ غمِ عشق بوالہوس را ندہند
سوزِ دلِ پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار
ایں دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

اگر یہ منظور ہے کہ کچھ روحانیت کا حصّہ ملے نور زندہ گورو سے تعلق پیدا کرو۔ اُنہیں کو پرم سنت کبیر صاحب۔ پرم پُرش رادھا سوامی اور پرم گورو نانک صاحب سمجھو اور انکی خدمت کرو۔ انکی صحبت اختیار کرو۔ دینتا اور شردھا کا مانگ لیکر ان کے پاس جاؤ۔ ان کو اپنے اوپر ہمہ تن مائل کرلو۔ روح دل سے اکتساب نور کرے۔ رُوح رُوح سے ہمکلام ہو۔ ایک طرح کے جذبات اور محسوسات پیدا ہوں اپنے آپکو ان کے چرنوں میں ارپن کرو۔ اپنی خودی نہ رہے دو رہیں۔ اس وقت دیکھو کیا کیفیت ہوتی ہے؟

جب میں تھا تب گورو نہیں۔ جب گورو ہیں میں نانہہ
پریم گلی اتی سانکری تامیں دو نا سما نہہ

جتبک خودی ہے۔ تب تک توحید کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آئیگا۔ جہاں دو رہتے ہیں وہاں ایک کی دوسرے کیساتھ مڈبھیڑ ہوتی رہتی ہے۔ متضاد کیفیتوں میں شانتی کہاں؟ وہ تو جد و جہد اور کشمکش کی حالت ہے۔ اسلئے کہا گیا ہے۔

در میانِ جان ایشان خانہ گیر
چرخ را خانہ کُن اے بدرِ منیر

سنسکار اور اُدھکار

کبیر صاحب کی ساکھی

جا کی جیسی بھاونا - تا کی تیسی بُدّھ
بھاو ھین نر لیکھئے - جن میں بُدّھ نہ سُدّھ

جس میں جیسا سنسکار رہوتا ہے اُس کا وَیسا ہی ادھکار ہوتا ہے - آٹے میں تھوڑا سا خمیر ملا دو - سب خمیری بن جائیگا - آدمی کے دل میں خاص قسم کا سنسکار ڈال دو - وہ اُسی کا رُوپ ہو رہیگا - زندگی کے موجودہ مرحلہ میں اس بات کو ہم قدم قدم پر دیکھتے ہیں - اسکی تفصیلی وضاحت اور صراحت کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی - نہ اُسکے ثبوت ہی کے پیش کرنیکی احتیاج ہے - ساری بات سنسکار پر موقوف ہے - اور سنسکار ہی ادھکار کی پرتیکش صورت ہے - جو شخص چاہے - روز اس کو کر کے دیکھ لے - اگر خود نہ کرے تو دوسروں ہی کے کام کے سلسلہ میں اس پر یقین لانے کا سامان تلاش کرے - جو بات ہوتی ہے سنسکار سے ہوتی ہے - کھٹے آنب کی گٹھلی کو میٹھے پانی میں تر کرنا شروع کر دو - جس وقت انکھوا نکل آئے زمین میں گاڑ کر کچھ دنوں اسی طرح سینچنے کا سلسلہ جاری رکھو - وقت پر اُس سے جو آم پیدا ہونگے وہ میٹھے ہونگے - اگر چاہو تو اُس کے پھل میں اسی عمل کی مدد سے دھنیاں - ادرک - کیوڑہ اور گلاب وغیرہ کی خوشبو بھی پیدا کر سکتے ہیں - لوگ چھوٹے پھلوں کو بڑا بنا دیتے ہیں - وہ کیوں بڑا بنجاتا ہے - کیمیائی ترکیب سے سب کچھ ممکن ہے - یہ کیمیائی ترکیب در اصل کیا ہے یہ بھی تو سنسکار ہی ہے ایک قسم کا +

سنسکار کا تعلق صرف انسان - انسانی جماعت - انسان کی صحبت اور انسان کے

عمل و شغل اور حالات و واقعات تک محدود نہیں ہے۔ اصل میں یہ لفظ بہت وسیع ہے اور اسکے معنی اور مراد میں بڑی وسعت ہے۔ انسان کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ وُہ اپنی آنکھوں کے نور کی دھار سے دل کے خیالی تار سے ہاتھوں کے بیوہار سے اپنے ملنے جلنے والوں کی حالت تبدیل کر دیتا ہے۔ خود اوروں کے زیر اثر آ کر کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ چیتن انسان جڑ جگت سے بہت کچھ سنسکار عاریت لیا کرتا ہے۔ ایک خوبصورت جھونپڑا دریا کے کنارے بنا ہُوا ہے مگر صاف اور ستھرا ہے۔ موقع موقع سے اُسکے ارد گرد بیل اور بوٹے لگے ہوئے ہیں۔ چلتا پھرتا آدمی اُدھر اتفاق سے نکل آیا اسکو دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔ دل کو خوشی ملی مزاج میں شادمانی آ گئی۔ ایسا کیوں ہُوا؟ کیونکہ اُسکی آنکھوں نے جھونپڑے سے جھونپڑے کے موقعے سے اور جھونپڑے کی خوش ادائی اور بیل بوٹوں سے طراوت۔ نفاست اور پاکیزگی کے سنسکار عاریت لئے۔ اُسکو تھوڑا بہت سوچنے کا موقع ملا۔ خیال کی رگ کو حرکت نصیب ہوئی۔ پہلے وُہ کچھ اور تھا۔ اب کچھ اور بن گیا۔

قدرتی نظاروں کے شائق سیر کوہسار کیلئے کیوں تکلیف اُٹھاتے ہیں؟ بیمار آدمی تبدیل آب و ہوا کے خیال سے کیوں نقل مکان کرتے ہیں۔ سیاح کس غرض سے شہروں شہروں اور ملکوں ملکوں گھومتے پھرتے ہیں؟ ان سب سوالوں کا ایک جواب ہے۔ صرف سنسکار بدلنے کیلئے صرف نئے نئے سنسکار لینے کیلئے۔ صرف پُرانے سنسکاروں کے بُھلانے اور نئے سنسکاروں کے مدد سے اپنی حالت بدلنے کیلئے۔

لوگ ہم سے پُوچھتے ہیں۔ تم جھونپڑے میں کیوں رہتے ہو؟ ہم کہتے ہیں جھونپڑے میں کیوں نہ رہیں کھُلی ہوا ملتی ہے۔ سامنے گملے رکھے ہوئے ہیں آنکھوں کے سامنے سبزی رہتی ہے۔ کمرے کے اندر قید بند کی حالت ہے۔ جھونپڑے میں نسبتاً آزادی ہے۔ آزادی ہر شخص کو پسند ہے۔ طبیعت ہشاس بشاش ہوتی ہے۔ دل کی گرہیں کھُلی جاتی ہیں۔ لکھتے وقت یکسُوی ہوتی ہے۔

مکان گندہ ہے۔ صاف و پاک نہیں۔ جدھر دیکھئے میلی کچیلی چیزیں نگاہ کے سامنے آتی ہیں ان کو دیکھنے سے طبیعت دب جاتی ہے۔ کیونکہ یہ بھی اپنا سنسکار اور اپنا اثر دیتی رہتی ہیں۔ اور انسان کو مجبوراً اُن کا اثر قبول کرنا پڑتا ہے۔

جو شخص ترقی کا خواہشمند ہو۔ ترقی یافتہ ارواح کی صحبت اختیار کرے۔ جو شخص دولت کی ہوس رکھتا ہو۔ دولتمند پیشہ وروں کی قربت پسند کرے۔ جو جس خیال کا ہو۔ اُسی خیال کے آدمی سے ملے۔ دیکھنا پھر ترقی کیسے نہیں ہوتی +

ہمکو صرف تین مرتبہ حضور مہاراج پورن دھنی کے چرنوں میں تھوڑے تھوڑے عرصے کیلئے بیٹھنا نصیب ہُوا آخری دفعہ صرف ایک گھنٹے کیلئے حاضری کا فخر ملا۔ آپ فرمانے لگے" شیوبرت لال! جسطرح عزت کا بھوکا وزیر امیر کی دربارداری کرتا ہے۔ وَیسے ہی پرمارتھ کے طالب کو اچھے بھاؤ اور اچھی شردھا کے ساتھ ستگورو کے سمیپ جانا چاہیئے۔ تاکہ اُنکے پوتر بجلی کی دھاریں جو آنکھ سے۔ ہاتھ سے۔ پاؤں سے۔ زبان سے اور سارے جسم سے نکلتی رہتی ہیں۔ اس میں اپنا گھر بنالیں۔ اور وُہ بھی پاک بن جائے +

آپکو تعجب ہوگا۔ کہ جسم کے رُوم رُوم سے بجلی کی دھاریں کیسے خارج ہوتی رہتی ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔ ایک روتے ہوئے انسان سے جب جس وقت ہمدردی کی باتیں کیجاتی ہیں۔ وُہ رونا چلانا بھُول جاتا ہے۔ شکستہ دل کیطرف محبّت آمیز نگاہ کرو۔ اُسکا ٹوٹا ہُوا دل جُڑ جاتا ہے۔ شور مچانے والے لڑکے سے محبّت کی باتیں کرو۔ وُہ خاموش ہوجاتا ہے۔ چاہے باتوں کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ کتّے بلّی بھی تو تمہاری زبان کو نہیں جانتے۔ مگر آنکھوں سے اور ہاتھ پاؤں کے اشاروں سے تمہارے من کے بھاؤں کو بھانپ لیتے ہیں۔ انسان کا دل ایک فوارہ ہے۔ جس سے وقتاً فوقتاً طراوت اور حرارت کی دھاریں نکلا کرتی ہیں۔ اور وُہ اثر سے خالی نہیں رہتیں۔ دل کے خیالی دھاروں اور آنکھ کے نورانی تاروں کے سلسلے میں جو بجلی رہتی ہے۔ اُس میں خاص قسم کا کیمیائی اثر ہوتا ہے۔ وُہ جو چاہیں کر دکھائیں۔ صرف ظرف اور ادھکار کی ضرورت ہے۔ سُورج کی لگاتار نگاہ پتھر کو لال اور زمرد کی صُورت میں تبدیل کردیتی ہے۔ سیپی کی مچھلی دلی بھاؤ سے ریت کے ذرّے کو آبدار موتی بنادیتی ہے، سب میں خاص خاص قسم کا اثر ہوتا ہے۔ گنگا نکشتر کا پانی کھیتی کیلئے مفید ہے۔ دوسرے نکشتر کا جل اُس کو نقصان پہنچاتا ہے۔ دیش کال اور وستو سب کے سنسکار علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ آدمی جس دیش میں ہے جس سمے میں ہے۔ جس شے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اُسکو مجبوراً تا وقتیکہ وُہ بڑا۔ جو حملہ مدافانہ ہو۔

سب کا اثر قبول کرنا پڑتا ہے۔ نظام شمسی کے تارے بھی اپنا خاص اثر رکھتے ہیں اور جانداروں پر فرداً فرداً انکا خاص اثر پڑتا ہے۔ ممکن ہے۔ تم کہو کہ ان سب کا اثر اگر واقعی ہوتا ہے تو سب پر یکساں ہونا چاہئیے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ دیش کال اور وستو کے لحاظ سے اُنکے اثر میں اختلاف ہُوا کرتا ہے۔ پھر ہر انسان کی جسمی ساخت۔ دلی اور دماغی تکمیل۔ بیوپار اور بیوہار جُدا جُدا ہیں۔ سورج ایک ہے۔ ہر جگہ چمکتا ہے لیکن منطقہ حارہ میں اُسکا اثر اور ہے۔ منطقہ باردہ میں اُسکی حرارت کا درجہ اور ہے اور منطقہ معتدلہ میں وہ اور ہی طرح پر اپنا کام کرتا ہے۔ کہیں زیادہ گرمی ہے۔ کہیں زیادہ سردی ہے۔ کہیں اعتدال کی حالت ہے۔ ہوا بہہ رہی ہے۔ اُسکے بہاؤ کی دشا ایک طرح کی ہے۔ باغ میں وُہ خوشبو لئے ہُوئے ہے۔ شمشان بھومی میں وُہ بدبو سے ملی ہُوئی ہے۔ تندرست کیلئے کھلی ہوئی ہوا مفید اور صحت بخش ثابت ہوتی ہے۔ بیمار کیلئے وہی مضر اور مہلک ہو جاتی ہے۔ گنگا جل کا پرواہ ایک طرح کا ہے۔ گنگوتری کے قریب وہ صد درجہ کی نرمل ہے مگر مرزاپور اور بنارس کے قریب اُسکا پانی کثیف اور مضر صحت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اختلاف کے ساتھ نکشتر بھی جیووں پر اپنا اثر ڈالتے رہتے ہیں۔

اب تک ہم نے جو باتیں کہی ہیں۔ وُہ حال کی زندگی اور ورتمان اوستھا سے سمبندھ رکھتی ہیں اب ہم جنم جنمانتروں کے سنسکار کے متعلق آپکی نگاہ کو پھیرنا چاہتے ہیں۔ آپکی اور ہماری زندگی اپنے قسم اور نوعیت کے لحاظ سے پہلی نہیں ہے۔ کیا جانے کتنے کروڑوں برس سے اسکا سلسلہ جاری ہے کتنے لوک لوکانتر کا چکر لگاتی ہوئی وُہ اس طبقہ میں آئی ہے۔ کتنے اثرات کا مجموعہ اُسکی ساخت میں اور پرداخت میں شامل ہے۔ اپنے اپنے مزاج کی کیفیت پر غور کرو۔ کس طرح کے خیالات ہیں۔ کیسے محسوسات ہیں۔ روزانہ برتاؤ میں زندگی کے کاروبار کا اکثر بہت پتہ لگ جاتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ فلاں قسم کے کام سے ہمیشہ پرہیز کرتے رہیں۔ مگر ایسا وقت آجاتا ہے۔ جب ہم اُسکے شکار ہو جاتے ہیں اور بیساختہ نا کردنی کام ہماری ذات سے سرزد ہو جاتا ہے۔ جس کیلئے سخت پچھتانا اور کف افسوس ملنا پڑتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے مزاج سے چڑچڑاپن دُور ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ مرد با اخلاق بنیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ کسی کا کبھی بھُولکر بھی نقصان نہ کریں۔ مگر من کے دبے ہوئے سنسکار جسوقت

اُبھر کھڑے ہوتے ہیں وُہ اپنا اثر ظاہر کئے ہُوئے بغیر نہیں رہتے۔ اپنے دلوں کے اندر ذرا داخل ہو کر دیکھو تو سہی۔ کبھی کبھی متضاد خیالات کس طرح خم ٹھونک کر کُشتیاں لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں چیت کی ایک ورتی کہتی ہے۔ ایسا کام نہ کرو۔ دوسری صلاح دیتی ہے کہ ایسا کام ضرور کرو۔ اور جس میں طاقت آجاتی ہے۔ اور جو خاص وُقت پر طاقتور بن جاتی ہے۔ وُہ کمزور کو دبا لیتی ہے۔ ایک عیاش طبع آدمی بازار کی طرف جا رہا ہے کسی اچھی صحبت سے ہو کر آیا ہے۔ دل میں بداخلاقی کی طرف سے نفرت ہے مگر وُہ مجبور ہے۔ کہ بداخلاقی کی منزل میں قدم رکھے۔ کیونکہ اگلے جنم کی باسنائیں اور گذشتہ زندگی کے سنسکار اُبھرنے کیلئے اندر ہی اندر زور مار رہے ہیں۔ مانا اُس میں اسی کا اپنا قصور ہے جیسا اُس نے پہلے جنم میں کیا تھا۔ ویسے ہی کرم کے سنسکاروں کا دل پر نقش پڑا ہُوا ہے۔ وُہ نقش میٹنے سے نہیں مٹے۔ اور اپنے ہمدرد اور ہم جنس خیالوں کی ہمدردی اور تقویت پا کر بلوان ہو گئے ہیں اُنکو مغلوب کرنا کسی بڑے زبردست اور علوالعزم انسان کا کام ہے۔ جو جیسا کرتا ہے ویسا پاتا ہے جو جیسا کہتا ہے ویسا سُنتا ہے۔ جو جیسا سوچتا ہے ویسا ہی بنتا ہے۔ یہ بنی بنائی ہوئی بات ہے۔ جس میں جس قسم کے سنسکار پر بلتا کے ساتھ دل میں گھُسے ہُوئے ہیں۔ وُہ ویسے ہی کرنے کہنے اور سوچنے کے لئے مجبُور ہے۔

جو شخص اپنی ضد سے ڈرتا ہے۔ اور ڈر کر اُس کا لوہا مانتا ہے۔ وُہ چاہے اس جنم میں اُسکے اثر سے بچ جائے۔ مگر آئندہ جنم میں کیا کریگا؟ کرموں کے بندھن سے چھٹکارا بمشکل نصیب ہوتا ہے۔ جس وقت زندگی اس طبقہ کو چھوڑ کر دُوسرے طبقہ میں آئیگی۔ اُس وقت اُسکو اپنی ضد یا مخالف شخصیت سے مغلوب ہونا پڑیگا۔ دُنیا میں برہما نے ہر چیز کا ضد بنایا ہے۔ ست کا ضد است ہے۔ گیان کا ضد اگیان ہے۔ برہم کی ضد مایا ہے۔ اسی طرح ہر شے۔ ہر وجود ہر مخلوق اور ہر شخصیت کا ضد اس سرشٹی میں نظر آتا ہے۔ ہزار آنکھ میچو۔ ہزار آنکھ بند کرو دھیان نہ دینے کی لاکھ کوششیں کرو۔ مگر تمہارے آنکھ بند کرنے سے۔ تمہارے آنکھ میچنے سے۔ تمہارے دھیان نہ دینے سے ضد کا اجھاؤ ہونا غیر ممکن ہے۔ کیونکہ کال بھگوان نے

اسکو اسی طرح رچا ہے۔ قدم قدم پر دوند کی رچنا سے مڈبھیڑ کرنی پڑتی ہے۔ جاؤ گے کہاں؟ کہاں بچکر نکل سکتے ہو؟ اگر سرشٹی صحیح واقعہ ہے۔ اگر اس کو یتھارتھ سمجھتے ہو۔ اگر وہ ویسے ہی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کہ بھاستی ہے۔ تو بھائی صاحب! یاد رکھو وہ اپنا کام کئے ہوئے بغیر اور اپنا اثر ڈالے ہوئے بغیر کبھی نہ رہیگی۔ کیونکہ وہ صحیح واقعہ کی طرح صحیح تسلیم کر لی گئی ہے۔ اسکو کسی اور نے نہیں۔ بلکہ تم نے آپ اسکو صحیح تسلیم کر رکھا ہے۔ دوند کے نظارے کیسے نظر سے اوجھل ہونگے؟ وہ تو اپنا پربھاؤ دکھا کر ہی چھوڑینگے۔ شیر شکار مارنے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بھلا کال کیسے باز کی طرح جھپٹے ہوئے بغیر تیتر اور بٹیر روپی جیووں کا شکار نہ کرے۔ ضد ہے۔ اور ضد اپنے آپکو پرگٹ کریگا۔ تاوقتیکہ تم بلند نظر۔ بلند نگاہ۔ وسیع دل اور وسیع دماغ والے نہ بنکر اسکی اصلیت کو نہ جان لو۔ اور ساتھ ہی اپنی ذات کی اصلیت کا بھی پتہ نہ پالو تبتک اس سے نہ بچوگے

سنو! بندر کا ضد بھیڑیا ہے۔ درخت پر پچاسوں بندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ بھیڑیئے کو آتے ہوئے دیکھا۔ سب کے سب خود بخود نیچے اتر آئے۔ آنکھیں بند کرکے دوزانو بیٹھ گئے۔ بھیڑیئے نے جسکو چاہا۔ اٹھا کر لے گیا۔ نہ کسی سے شور مچاتے بنا۔ نہ اپنی سنبھال کرنے کی تدبیر سمجھ میں آئی کیونکہ بندر جس پہلی زندگی سے اتر کر بندر بنا ہے۔ اس میں اپنے ضد کا دلی خوف تھا۔ بھلا تم تو آسانی کے ساتھ بندر کو پکڑ لو۔ وہ نوچینگے۔ کھسوٹینگے۔ مشکل سے تمہارے ہاتھ آئینگے۔ کیونکہ تم بندر کی ضد نہیں ہو۔ بندر تم سے نہیں ڈرتا۔ بندر تم سے اس طرح نہیں ڈرتا جس طرح بھیڑیئے سے خائف ہے۔ سانپ بڑا موذی جانور ہے۔ سانپ ہوشیار۔ محتاط اور اپنی عقل کے موافق عقلمند بھی ہے ذرا اسکو مور اور گرڑ کے چنگھار کی آواز سننے دو۔ اب کیا حال ہے؟ دم بخود۔ صُمٌ بُکمٌ۔ تصویر حیرت بنکر آنکھیں بند کرکے بیٹھ گیا ہے۔ گرڑ اور مور وہاں پہنچے۔ پنجے سے اسکے سر کو پکڑ لیا۔ اور دم کی طرف سے نگلنا شروع کیا۔ ان پرندوں کی چونچ اور انکے گلے اور معدے میں اسکے گوشت کے نگلنے کی خاص قسم کی طاقت ہوتی ہے۔ سارا گوشت پیٹ کے اندر جاکر تحلیل ہوگیا۔ مور اور گرڑ نے ہڈیوں کے ٹھٹھریوں کو نکال کر باہر پھینکدیا۔ یہ سانپ کا حشر ہوا کرتا

ہے۔ ذرا تم تو سانپ کو پکڑو۔ کیا وُہ آسانی سے تمہارے ہاتھ آئیگا؟ نہیں کبھی نہیں۔ کیونکہ اپنی ضد کا خوف اُسکے اُوپر مسلّط اور حاوی ہے۔ جس زمانے میں ہم چُنار میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ لوگوں نے کہا کہ آجکل چیتے۔ ریچھ اور بھیڑیئے جنگل کو چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ جس جنگل کا یہ واقعہ ہے۔ اُس کا نام ستیس گڑھ ہے۔ وُہ پہاڑی علاقہ ہے۔ اور راجہ صاحب کنتیت کی ریاست میں شامل ہے۔ ہم نے پُوچھا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ ایک قسم کا چھوٹا جانور ہوتا ہے جو قد و قامت کے لحاظ سے گیدڑ سے بھی بدحیثیت ہوتا ہے۔ اُس کا یہ حال ہے کہ ہاتھی کے پیٹ میں پاخانے کی راہ سے گھُس کر اُس کی آنتوں کو باہر کھینچ لاتا ہے۔ اور ہاتھی کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ بڑے لحیم شحیم جانوروں سے اُسکا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ شیر بھی اُس سے پناہ مانگتا ہے۔ اور چھوٹے درندوں کے ساتھ وُہ اس طرح سلوک کرتا ہے۔ کہ پیشاب کر کے اپنی دُم اُس میں بھگو لیتا ہے۔ اور جب دُم کو پھٹکارتا ہے۔ اُسکی چھینٹیں جن جن جانوروں کے جسم پر پڑ جاتی ہیں۔ اُن سے آبلے پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں خاص قسم کی جلن ہوتی ہے۔ اور ان آبلوں کی وجہ سے وُہ بیکسی اور بے بسی کی موت مرجاتے ہیں۔ یہ سبب ہے کہ سارے جانور جنگل کو چھوڑ کر بھاگ نکلتے ہیں۔ ہم کو اس جانور کا نام یاد نہیں رہا +

اسی طرح اور بھی خلقت میں کتنی ضد بنائی گئی ہیں۔ ان کو بھی جانے دیجئے۔ انسان کا ضد انسان ہے۔ عورت کی ضد عورت ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔ کہ بعض آدمیوں کو تمہارے ساتھ بلاوجہ بغض للّٰہی ہؤا کرتا ہے۔ تمہارے سارے ہنر اُسکی نگاہ میں عیب نظر آتے ہیں۔ جو تم اچھی بات کرتے ہو۔ وُہ بھی اُسے بُری نظر آتی ہے +

ہنر بہ چشم عداوت بزرگتر عیب است
گُل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

اتقدر ضد کے متعلق بتایا گیا۔ اس سے اچھی طرح سمجھ میں آجائیگا کہ کونسے خوف کے سنسکار ہیں جو ضد سے ڈراتے ہیں اور انکی وجہ سے انسان معرضِ ہلاکت میں پڑ جاتا ہے +

اچھا یہ تو ایک بات ہوئی۔ تم دیکھتے ہو کہ دُنیا میں انسانی طبقے کے درمیان ایک قسم کے۔ ایک مزاج کے اور ایک طبیعت کے انسان نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان سب کے سنسکار جُدا جُدا ہیں۔ مدرسے کے طالبعلموں میں کوئی علم ریاضی کا شائق ہے۔ کوئی علم ادب کا سودائی ہے۔ کوئی تواریخ پر شیدائی ہے۔ کوئی علم زبان کی طرف زیادہ توجہ دیتا ہے۔ کوئی فلسفہ کے مسائل پر غور اور فکر کیا کرتا ہے۔ ان کے درمیان بھی وُہی اُصول کام کرتا ہے۔ سب اپنے اپنے سنسکار کے موافق کام کر رہے ہیں۔ اس میں نہ کسی کی شکایت ہے۔ نہ گلہ ہے۔ تم تناسخ کے مسئلہ کو مانو خواہ نہ مانو۔ تمہاری دانست میں آواگون کی تعلیم صحیح ہے یا غلط۔ اس سے ہم کو کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور نہ ہم کسی بات کے جبر سے ماننے یا منوانے کی طرف رجوع رہتے ہیں۔ تمہارا طرز خیال اور ہے۔ ہمارا طرز خیال اور ہے۔ ہمارے اور تمہارے خیال کرنیکے طریقے میں زمین و آسمان کا فرق حائل ہے۔ مگر ایک بات ہے۔ اس بات کو تو عقل تسلیم کرتی ہے۔ کہ یہ زندگی جو ہم کو عطا ہوئی ہے۔ آج کی نہیں ہے۔ خارجی دُنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی باپ سے پیدا ہُوا ہے۔ باپ کیا ہے۔ ہماری یہی تو اگلی زندگی کی قدیم صُورت ہے۔ پُتر پتا کا آتما کہا گیا ہے۔ پُتر کی زندگی باپ سے آئی ہے۔ وُہ باپ بھی اپنے سلسلے میں اور اور باپوں سے پیدا ہُوا ہے۔ اس کو مانو گے کہ نہیں؟ یا اس میں بھی کسی بحث یا کسی اعتراض کی گنجائش ہے۔ یہ تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ ہر انسان کے سامنے کئی پشتوں کا سلسلہ موجود ہے۔ ہر لڑکا اپنے باپ کے جسمی۔ دماغی اور روحانی جوہر کا نچوڑ ہے۔ کیا اس خلاصہ میں صدیوں اور ہزاروں برس کے سنسکار موجود نہیں ہیں؟ تمہارا جی چاہے اس کو غلط مانو۔ تمہارا جی چاہے اسکو صحیح سمجھو۔ مگر بات یہی ہے۔ جو ہم اس وقت کہہ رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان باتوں کے سوا بہت سی اور باتیں بھی ہیں۔ جو زندگی کی بناوٹ میں کروڑہا برس سے اثر انداز ہو رہی ہیں مگر ہم انکو طوالت کے خوف سے اس وقت نظر انداز کرنا مصلحت سمجھتے ہیں +

سنسکار ہیں۔ سنسکار صحیح ہیں۔ اگر ہم میں سے کوئی شخص ست سنگ کا۔ سادھوؤں کی صحبت کا۔ سچے آدمیوں کی قربت کا خواہشمند ہے۔ تو وہ اُسکے پُوربلے جنم کے سنسکاروں کی وجہ سے ہے۔ برعکس اسکے اگر کوئی شخص اوائل عمر سے مے نوشی کا شائق ہے۔ نشے بازوں کی صحبت کا متمنی ہے۔ جوا کھیلتا ہے۔ اور طرح طرح کے فسق و فجور کے ساتھ رشتہ متعلق جوڑتا ہے۔ تو وُہ بھی اگلے جنموں کے سنسکاروں کا نتیجہ ہے۔ بچّوں کو کون شراب پینا سکھلاتا ہے؟ وہ سیکھے سکھائے ہُوئے آتے ہیں۔ یہ تو معمُولی بات ہے۔ تم اگر ذرا آنکھیں کھولکر اپنے گھروں کے جانوروں کی حالت پر غور کرو۔ تو اُن میں بھی سنسکاروں کے عجیب عجیب تماشے نظر آئینگے۔ ایک چوہا ہے۔ جو تمہارا سایہ دیکھ کر جان چھُپا کر بھاگ جاتا ہے۔ دوسرے کو تم پکڑنے دوڑتے ہو۔ وُہ غرّاتا ہے۔ آنکھیں دکھاتا ہے۔ اور اگر بس چلے۔ تو تمکو اپنے دانت اور پنجوں سے زخمی بھی کر دے۔ چوہا یہ شیر مردی کہاں سے لایا؟ کیا ہم میں سے کوئی اُسکو سکھانے گیا تھا؟ نہیں۔ یہ اُسکے اگلے جنموں کے سنسکار ہیں۔ اسی طرح کتّے۔ بلّی اور دوسرے جانوروں کے حالات کو مطالعہ کرتے ہُوئے تم اس نتیجہ در بخود پہنچ سکتے ہو۔ ایک لڑکا ہے۔ جس میں عورتوں کے سے اوصاف ہیں۔ مٹکنا۔ اٹھلانا۔ ناز و نخرے دکھلانا۔ راز و نیاز کی باتیں کرنا۔ سب کچھ اس میں موجود ہیں۔ تم نے اُسکو سکول میں بھیجا تھا۔ یہ باتیں لڑکے نے کہاں سیکھی تھیں؟ یہ حق ہے کہ اس میں پہلے ہی سے موجود تھیں۔ اُستاد کی تعلیم اسکے سنسکار کو نہیں بدل سکی۔ اسی طرح ایک لڑکی ہے جس میں مردوں کے سے حوصلے ہیں۔ مردوں کے سے جذبات ہیں۔ دل کی دلیر۔ شوخ چشم۔ دریدہ دہن۔ سب کچھ ہے۔ یہ بھی اسکے اگلے سنسکاروں کی برکت کی وجہ سے ہے +

ہم سمجھتے ہیں۔ اب کسی قدر تم سنسکاروں کی ماہیئت کو سمجھ گئے ہو گے۔ اسقدر بیان کرکے ہم آگے بڑھتے ہیں +

ان سنسکاروں میں خوبیاں ہیں۔ سنسکاروں ہی کی وجہ سے ادھکار حاصل ہوتا ہے

سنسکار کا ترجمہ قابلیت ہے۔ اور ادھکار کا ترجمہ قبولیت ہے۔ یہ لفظی ترجمہ نہیں ہے۔ یہ اصطلاحات صرف سمجھانے بجھانے کیواسطے استعمال کیگئی ہیں۔ پرکرتی ایک قسم کا بھنڈار ہے جس میں نانا پرکار کی سامگری بھری ہوئی ہے۔ جو جدھر رُخ کرتا ہے۔ جس چیز کی جسکو خواہش ہے وہ اپنے ادھکار اور سنسکار کے موافق لے رہا ہے۔ کوئی اُسکے ساتھ روک ٹوک نہیں کرسکتا جس میں سنسکار نہیں ہیں وہ محروم رہتا ہے۔ اور جب تک ویسے سنسکار نہ پیدا کرلیگا برابر محروم رہیگا۔ اپنی زندگی کے بنانے والے اور بگاڑنے والے تم آپ ہو۔ جیسے سنسکار پہلے لائے تھے۔ انہی کے موافق تمہارا بیوہار ہو رہا ہے۔ اگر یہ خواہش ہے کہ روحانی ترقی تمہارے حصے میں آئے۔ تو اب ایسے کام کرو جس سے اور جسکی مدد سے روحانی عروج اور آتمک بردھی کی دولت پراپت کرسکو۔ بیٹھو روحانی آدمیوں کی صحبت میں۔ پڑھو روحانی مضمونوں کی کتابوں کو۔ کرو روحانی شغل اور عمل۔ تاکہ تمہاری بُدھی روحانی بنے۔ اور تم رُوحانی مضمون کے سمجھنے کے قابل ہوسکو۔

کچھ دنوں اس قسم کی بھاونا اور ایسی باسنا سے تعلق رکھو۔ آہستہ آہستہ اپنا کام بناتے چلے جاؤ جو قدم پڑے آگے کیطرف پڑے۔ سچائی سے سمبندھ پراپت کرو۔ بیخوف رہنے کا ساہس حاصل کرو۔ تاکہ اصلیت کی جھلک کا عکس من پر پڑتا جائے۔ اور اُسکے سلسلے میں انوبھو شکتی بڑھتی جائے۔ پہلے علم الیقین کا درجہ حاصل کرو۔ پھر حق الیقین کے طبقہ میں آ بسو جاؤ۔ پھر عین الیقین کے معراج سے واصل ہو کر اپنے اصل اور ذات سے ملکر ایک ہو رہو۔ جسوقت یہ حالت ہوگی اُسوقت نہ کوئی سنسکار رہینگے نہ بھاونا اور باسنا کی ضرورت ہوگی۔ سُدھ اور بُدھ کے درجے سے اونچے چڑھ جاؤگے۔ یہانتک تو ہم تمکو سُنا دیتے ہیں اور سُنا سکتے ہیں۔ اسکے آگے کیا ہے۔ وہ من اور بانی کے پرے ہے۔ نہ کسی نے آجتک صاف صاف لفظوں میں بیان کیا۔ اور نہ وہ بیان میں آسکتا ہے۔ ہم کیا بیان کرینگے۔ کیونکہ جو چیز انوبھو سے بھی پرے ہے اُسکے بیان کرنیکی کوشش کرنا غلطی میں داخل ہے۔ یہانتک آکر ہم پھر اُسی دوہے کا اعادہ کرتے ہیں۔ جو اس مضمون کا زیب عنوان ہے

ساکھی

جا کی جیسی بھاونا تاکی تیسی بُدھ
بھاونا ہین شریکھے جائیں سُدھ نہ بُدھ

صرف دو دو باتیں

...کچھ ماڈرن کا ارادہ نہیں تھا۔ لیکن تحریک کے میدان میں آ کر بطبیعت قلم کے گھس گھس
...تحریر والے آدمیوں نے نے ستا سلسلہ پھر کچھ توجہ ہوئی۔ اور سنت درشن اخبار
...سلسلہ خوش قسمتی سے کچھ دن جاری رہیگا خواہش تھی۔ کیونکہ یہ ضخیم اور کارآمد...
...روپیہ کم نہ رکھی جائے جو پرمارتھ کے ادھکاری ہیں خرید سکیں گے۔ جو ادھکاری نہیں
...قدر نہیں کرتے مگر مانی کیجائے کہ صرف اتنی قیمت رکھی گئی تھی کہ کسی کو گراں نہ گذرے
...ہونگے لئے نہایت قیمتی ثابت ہوگا اور وہ زندگی تک اسکے مطالعہ سے فائدہ اٹھاینگے۔ دقیق
...مضامین سہل زبان میں بیان کرنیکے گئے ہیں۔ اور جہاں تک خیال آتا ہے وہ اپنے اثر سے کبھی خالی
...لوگوں کی تشفی کیساتھ فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔ اس میں جو مضامین درج ہونگے وہ
...نقطہ نگاہ سے لکھے جائینگے۔ یہ سچ ہے سنتوں کے طریق میں کسی ہرمان یا ...
...نہیں ہے صرف انبھو سے تعلق رکھا جاتا ہے تاہم ہر مضمون کی سُرخی سنتوں کی ساکھی ...
...ہوگی۔ تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ سنت کیسی تعلیم دیگئے ہیں۔ یہ سلسلہ اُن تمام غلط فہمیوں کو دور کریگا
...سوامی دیال صاحب پرم سنت کبیر صاحب مہاراج گورو نانک صاحب وغیرہ کی تعلیم
...ہیں پنجاب میں بالعموم نئی روشنی کے دلدادہ گوروؤں کے بانی کو جاٹوں کی زبان
...کتاب بطور خود سوچنے اور موازنہ کرنے کا موقع ہے۔ دیکھئے ان کے خیالات کیسے
...درجہ کے اثر مند ہیں۔ حقیقت یوں ہے کہ سچائی کی جو تعلیم سنتوں سے دی ہے وہ اس قدر
...ہے کہ اسکے سمجھنے کے لئے بہت غور و فکر کی ضرورت ہے اور اس کا سار صرف ان
...میں دکھایا ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف مضمون کے متعلق ضخیم ضخیم کتابیں نکلینگی۔

...[illegible] ... مشکل کرتا تھا میں لیں بار بار پڑھیں اور سوچیں انکی ...
...سنتوں کی بانی ہوتی ...محروم رہینگے ادھکتی اور گیان کے ادھکاری نہیں گے
...خیال رہے ... ہیں۔ اسلئے ادھکاری پڑھنے والوں سے درخواست ہے کہ وہ جہاں تک
...خریدار پیدا کریں۔ تاکہ خسارہ نہ ہو اور کام کچھ عرصہ تک جاری رہے۔ ... لوگوں کو بھی
...جو سنتوں کی بانی میں شردھا نہیں رکھتے پترا حضوری کا ہدیہ ہوتی ہے۔
...شیر باد دیں کہ یہ سلسلہ اپنا کام کرے۔ اور لوگوں کو اس سے لابھ پہنچے۔

...شنکر لال اختر۔ منیجر سرسوتی بھنڈار دہلی